عید غوثیہ دنیائے سنیت کو مبارک ہو

ربیع الآخر ۱۴۳۹ھ / جنوری ۲۰۱۸ء

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سنّی دُنیا

بریلی شریف

JANUARY 2018



چیف ایڈیٹر
مولانا محمد عسجد رضا خان قادری

ایڈیٹر
مولانا محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

ماہنامہ سنی دنیا

अब हिन्दी में भी

हिन्दी पढ़ने वालों के लिये एक अहम खुशख़बरी

हुज़ूर ताजुश्शरिया की सरपरस्ती में मरकज़े अहले सुन्नत बरेली शरीफ़ से शाय होने वाला

माहनामा

सुन्नी दुनिया

जनवरी-2018 से हिन्दी में भी शाय हो रहा है।

हिन्दी पढ़ने वाले अपने दोस्त व अहबाब को इसका मेम्बर बनने के लिये हमारे एकॉन्ट में मेम्बर शिप की सालाना रक़म जमा कर के अपना मुकम्मल नाम व पता और रक़म की डिटेल 9411090486 पर **WhatsApp** कर दें या हमारे पते पर मनिऑर्डर भी कर सकते हैं, रक़म मिलते ही आपके पते पर रिसाला जारी कर दिया जायेगा।

सालाना 250/-
सादा डाक से

सालाना 500/-
रजिस्टर्ड डाक से

Account Details :
ASJAD RAZA KHAN
SBI A/C No. 10592358910
IFSC Code SBIN0000597

Mahnama Sunni Duniya, 82 Saudagaran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Sharif, U.P, Pin - 243003

Cont: +91 9411090486,7055078619,9719918868

اہل سنت کی فلاح و بہبود کے لئے اور انکے ایمان و اسلام کی حفاظت کے لئے اعلیٰ حضرت کی قائم فرمودہ جماعت رضائے مصطفےٰ کے 100 سال پورے ہو رہے ہیں اس موقع پر جماعت رضائے مصطفےٰ کا

جشن صدسالہ

عظیم الشان پیمانے پر منایا جائے گا



احباب اہل سنت سے پرخلوص اپیل کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس کے ممبر بنیں اور ملک کے ہر گوشے میں اسکی شاخیں قائم کر کے اس جشن صد سالہ کا حصہ بنیں۔

राब्ते के पते

JAMAT RAZA-E-MUSTAFA

Head Office: **Behind Dargah Alahazrat Saudagaran, Bareilly Shreeef (U.P.) 243003**

+91 7055078618 / 7055078619 / 7055078621 / 7055078622

بیادگار

امام المتکلمین حضرت علامہ مفتی محمد نقی علی خاں قادری بریلوی، اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی، مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی، مفسر اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

مرکز سواد اعظم اہل سنت وجماعت آستانۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کا علمی دینی واصلاحی ترجمان

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا نقیب و پاسبان

ماہنامہ سُنّی دُنیا
بریلی شریف

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

ربیع الآخر ۱۴۳۹ھ / جنوری ۲۰۱۸ء JANUARY-2018

جلد نمبر ۳ Vol. 3

شمارہ نمبر ۱ Issue 1

(زیر سرپرستی)

حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری ازہری بریلوی مدظلہ العالی قاضی القضاۃ فی الہند

مدیر اعلیٰ:

مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری

مدیر:

مولانا محمد عبد الرحیم نشتر فاروقی

تزئین کار:
عتیق احمد حشمتی (شجاع ملک) آئی ٹی ہیڈ: جامعۃ الرضا
معین اختر رضوی، کمپوزیشن جے آر ایم ہیڈ آفس

سالانہ ۲۵۰؍روپے سادہ ڈاک سے	فی شمارہ ۲۰ روپے	سالانہ ۵۰۰؍روپے رجسٹرڈ ڈاک سے
پاکستان، سری لنکا، بنگلہ دیش سے ۱۰۰۰؍روپے		دیگر ممالک ۳۵؍امریکی ڈالر

نوٹ: رسالہ سے متعلق کسی بھی طرح کی شکایت یا معلومات کے لئے صبح ۹ بجے سے دوپہر ۱ بجے تک نیچے دیئے گئے نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں:
9259089193

ہدایت: اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ سنی دنیا کے لئے مضامین بھیجتے وقت لفافہ پر "برائے سنی دنیا" ضرور تحریر فرمائیں، آپ اپنے مضامین ہمارے ای میل آئی ڈی پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

قانونی انتباہ: کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف بریلی کورٹ میں قابل سماعت ہوگی۔ اہل قلم کی آراء سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔

گول دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے۔ برائے کرم آگے کے لئے اپنا زر سالانہ پہلی فرصت میں ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ آگے بھی جاری رہ سکے۔

رابطہ کا پتہ: دفتر ماہنامہ سنی دنیا، ۸۲؍سوداگران، بریلی شریف، یوپی Cont. Add

MAHNAMA SUNNI DUNIYA
82 Saudagran, Bareilly Sharif (U.P.) Pin - 243003
Cont. No. 0581-2458543, 2472166, 3291453 :فون
E-mail:- sunniduniya@aalaahazrat.com
nashtarfaruqui@gmail.com, atiqahmad@aalaahazrat.com
Visit Us: www.aalaahazrat.com, cisjamiaturraza.ac.in, hazrat.org

ایڈیٹر، پبلیشر، پرنٹر اور پروپرائٹر مولانا محمد عسجد رضا خاں قادری نے فائزہ پرنٹرس بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ سنی دنیا ۸۲ سوداگران درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی سے شائع کیا۔

Editor, Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Opp. Lala Kashinath Jewelers, Hamidi Complex, Gali Wazeer Ali, Bara Bazar, Bareilly, Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Shareef (U.P.)

اس شمارے میں

منظومات

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا

از: امام احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ العزیز

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا

قسمیں دے دے کے کھلاتا ہے پلاتا ہے تجھے
پیارا اللہ ترا چاہنے والا تیرا

مصطفےٰ کے تن بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا مری جاں جلوۂ زیبا تیرا

ابن زہرا کو مبارک ہو عروس قدرت
قادری پائیں تصدق مرے دولہا تیرا

کیوں نہ قاسم ہو کہ تو ابن ابی القاسم ہے
کیوں نہ قادر ہو کہ مختار ہے بابا تیرا

نبوی مینھ، علوی فصل، بتولی گلشن
حسنی پھول حسینی ہے مہکنا تیرا

موت نزدیک، گناہوں کی تہیں، میل کے خول
آبرس جا کہ نہا دھو لے یہ پیاسا تیرا

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے
کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارا تیرا

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا

میری قسمت کی قسم کھائیں سگان بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

بد سہی، چور سہی، مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

مجھ کو رسوا بھی اگر کوئی کہے گا تو یونہی
کہ وہی نا وہ رضا بندۂ رسوا تیرا

فخر آقا میں رضا اور بھی اک نظم رفیع
چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرا تیرا

اپنے در سے ہمیں خالی نہ پھرانا یا غوث

از: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

ہاتھ پکڑا ہے تو تا حشر نبھانا یا غوث
اب کسی حال میں دامن نہ چھڑانا یا غوث

اپنے ہی کوچے میں سرشار تمنا رکھنا
اپنے محتاج کو در در نہ پھرانا یا غوث

دل سے اترے نہ کبھی تیرے تصور کا خمار
ایسا اک جام حضوری کا پلانا یا غوث

تیرے نانا کی سخاوت کی قسم ہے تجھ کو
اپنے در سے ہمیں خالی نہ پھرانا یا غوث

دوست خوش ہوں مرے دشمن کو پشیمانی ہو
کام بگڑے ہوئے اس طرح بنانا یا غوث

آستیں اپنی بڑھانا مری پلکوں کی طرف
اپنے غم میں ہمیں جب جب بھی رلانا یا غوث

کبھی آنکھوں میں کبھی خانۂ دل میں رہنا
روح بن کر مری رگ رگ میں سمانا یا غوث

نسبت حلقہ بگوشی کا بھرم رکھ لینا
بہر امداد مری قبر میں آنا یا غوث

آبگینہ مری امید کا ٹوٹے نہ حضور
درد حسرت سے مرے دل کو بچانا یا غوث

تیرے جلووں سے ہیں کتنے ہی شبستاں روشن
میرے دل میں بھی کوئی شمع جلانا یا غوث

کسی منجدھار سے ارشد کی صدا آتی ہے
میری کشتی کو تم ہی پار لگانا یا غوث

اداریہ

عبد الرحیم نشتر فاروقی

کم سنی میں حضرت عائشہ کے نکاح پر اعتراضات!

ایک تحقیقی جائزہ

آئے دن اسلام مخالف عناصر اسلام اور اہل اسلام کے تعلق سے اپنی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، کبھی یہ اسلامی احکامات کو نشانہ بناتے ہیں تو کبھی اسلامی شخصیات کو ہدف لعن طعن بناتے ہیں، کبھی پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں تو کبھی ازواج مطہرات کی ذات بابرکات کے تعلق سے اپنی خباثتوں کا اظہار کرتے ہیں، ویسے تو یہ کوئی نئی اور تعجب خیز بات نہیں، کیوں کہ اسلام پر کیچڑ اچھالنا دنیا کے سارے مخالفین اسلام کا محبوب ترین مشغلہ بن چکا ہے چنانچہ سب سے پہلے کچھ متعصب قسم کے یہودیوں نے اپنی بیمار ذہنیت کی گندگی ظاہر کرتے ہوئے یہ اعتراض کیا کہ ایک کم سن بچی سے نکاح کرنا پیغمبر اسلام کے لئے موزوں نہیں تھا اور نہ جانے کیسے کیسے اپنی خباثت باطنی کا اظہار کیا، اہل اسلام نے ہمیشہ کی طرح ان کی اس لایعنی اور غیر معقول اعتراض کا بھی دندان شکن جواب دیا لیکن انھوں نے اپنی کچھ ناجائز اولادیں ہمارے ملک میں بھی پیدا کردی ہیں جو ان کے تخریبی مشن کو ایک سچے وارث کی طرح آگے بڑھانے میں ہمہ تن مصروف ہیں اور اپنی ذہنی غلاظتوں کی بدبو سے ہندوستان کی خوشگوار فضا کو تعفن زدہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔

اسلام اور اہل اسلام سے بے جا نفرت والی ذہنیت اب ایک ”خطرناک وائرس“ کی شکل اختیار کرچکی ہے جو کبھی کسی بد بخت انگریز کو لاحق ہوکر اسے عقل وخرد سے بے گانہ کردیتا ہے تو کبھی کسی ناہنجار شاعرہ کے اندر سرایت ہوکر اسے پاگل کردیتا ہے اور اب سنا ہے کسی سر پھرے ٹی وی اینکر کو بھی یہ مرض لاحق ہوگیا ہے، اب دیکھئے یہ صاحب کون سا گل کھلاتے ہیں، کیوں کہ ان کے پاس تو اپنی قینچی نما زبان کے ساتھ ساتھ ٹی وی کا ایک بڑا پلیٹ فارم بھی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے بواسیری مرض کی بدبو دور دور تک پھیلا سکتے ہیں۔

دراصل یہ اعتراض اس مفروضہ پر مبنی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نکاح کے وقت ایک نابالغہ بچی تھیں اور ابھی ان کے اندر وہ صلاحیت نہیں پیدا ہوئی تھی جو ایک خاتون کو اپنے شوہر کے پاس جانے کے لئے درکار ہوتی ہے، دراصل مخالفین اسلام کا یہ اعتراض ہی سرے سے غلط و باطل ہے کیوں کہ ان کا نکاح ضرور نابالغی میں ہوا تھا لیکن رخصتی ۹ رسال کی عمر میں بالغ ہوجانے کے بعد ہی ہوئی تھی، چنانچہ بخاری شریف میں خود ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

”عن عائشة رضی سالله عنها: قالت تزوجنی النبی ﷺ وأنا بنت ست سنین فقدمنا المدینة فنزلنا فی بنی الحارث بن خزرج فوعکت فتمرق شعری فوفی جمیمة فاتتنی أمی أم رومان وإنی لفی أرجوحة ومعی صواحب لی فصرخت بی فأتیتها لا أدری ما ترید بی فأخذت بیدی حتی أوقفتنی علی باب الدار وإنی لأنهج حتی سکن بعض نفسی ثم أخذت شیئا من ماء فمسحت به وجهی ورأسی ثم أدخلتنی الدار فاذا نسوة من الأنصار فی البیت فقلن علی الخیر والبرکة وعلی خیر طائر فأسلمتنی إلیهن فأصلحن من شأنی فلم یرعنی إلا رسول الله ﷺ ضحی فأسلمتنی إلیه وأنا یومئذ بنت تسع سنین. یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس وقت مجھ سے نکاح فرمایا، اس وقت میری عمر چھ سال کی تھی، اس کے بعد ہم لوگ (ہجرت کرکے) مدینہ گئے

اور وہاں قبیلہ بنی حارث میں قیام کیا، پھر مجھے ایسا بخار آیا کہ سر کے تمام بال جھڑ گئے، پھر (از سر نو نکل کر) کندھوں تک ابھی پہنچے تھے کہ میری ماں اُم رومان میرے پاس آئیں، اس وقت میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی، میں ماں کے پاس چلی گئی، مجھے کچھ خبر نہیں کہ آج کیا معاملہ ہونے والا ہے، وہ میرا ہاتھ پکڑ کر دروازہ پر (تھوڑی دیر کے لئے) رکی رہیں، میری سانس پھول رہی تھی، جب سکون ہوا تو ماں نے پانی لے کر میرا منہ اور سر دھویا، پھر مکان میں لے کر گئیں، جہاں انصار کی عورتیں موجود تھیں، وہ مجھے دعائے خیر اور مبارک باد دینے لگیں، ماں نے مجھے ان عورتوں کے حوالہ کر دیا، انہوں نے میرا بناؤ سنگھار کیا، اب تک مجھے کچھ خبر نہیں ہوئی، یہاں تک کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور پھر مجھے ان عورتوں نے آپ کے سپرد کر دیا، اس وقت میری عمر ۹ رسال کی تھی۔'' [صحیح بخاری، کتاب المناقب، حدیث نمبر ۳۸۹۴]

اب آئیے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا پوری دنیا میں صرف یہی کسی لڑکی کا پہلا نکاح ہے جو اتنی کم عمری میں واقع ہوا؟ کیا اس سے قبل یا بعد میں ایسا کوئی نکاح نہیں ہوا؟ تاریخی شواہد ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ دنیا کے ہر گوشے میں اور ہر مذہب میں اتنی عمر میں یا اس سے بھی کم عمر میں شادیوں کا رواج موجود تھا اور ایسے کسی بھی نکاح کو کبھی معیوب نہیں سمجھا گیا، اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم ملک عرب ہی کا جائزہ لیتے ہیں جہاں یہ نکاح عمل میں آیا۔

چودہ سو سال قبل عرب میں بھی اس عمر میں لڑکیوں کی شادی کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا، تاریخی حقائق شاہد ہیں کہ عرب میں بعض لڑکیاں ۹ رسال میں ماں اور ۱۸ رسال کی عمر میں نانی بھی بن گئی ہیں، چنانچہ حدیث کی مشہور کتاب ''دار قطنی'' میں عباد بن عباد مہلبی کا بیان ہے کہ:

''أدركت فينا يعني المهالبة امرأة صارت جدة وهي بنت ثمان عشرة سنة ولدت لتسع سنين ابنة فولدت ابنتها لتسع سنين ابنة فصارت هي جدة وهي ابنة ثماني عشرة سنة ... الخ. یعنی میں نے اپنی قوم مہالبہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ وہ ۱۸ رسال کی عمر میں نانی بن گئی تھی، اس کی صورت یہ ہوئی کہ خود اس کو ۹ رسال کی عمر میں لڑکی پیدا ہوئی اور پھر اس کی لڑکی بھی ۹ رسال کی عمر میں لڑکے والی ہوگئی، اس طرح وہ ۱۸ رسال میں نانی بن گئی۔''

نیز حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک چشم دید واقعہ نقل کیا جاتا ہے:

''أنه رأى جدة بنت إحدى عشرين سنة وإنها حاضت لاستكمال تسع ووضعت بنتها لاستكمال عشر ووقع ببنتها مثل ذلك. یعنی آپ نے دیکھا کہ ایک عورت اکیس برس کی عمر میں نانی بن گئی، اس کی صورت یوں ہوئی کہ نویں برس میں حیض آیا، دسویں برس میں لڑکی جنی اور اس لڑکی کا حیض وحمل بھی اسی طرح وقوع پذیر ہوا جس سے اکیس برس کی عمر میں نانی کہلانے لگی۔'' [فتح الباری، جلد ۵، ص ۲۰۳]

اسی طرح صحیح بخاری میں بھی حسن بن صالح کے ذریعہ ایک واقعہ مذکور ہے، ان کا بیان ہے کہ:

''كنت أدركت جارة لنا جدة بنت إحدى وعشرين سنة. یعنی میں نے اپنے پڑوس کی لڑکی کو دیکھا کہ وہ ۲۱ رسال کی عمر میں نانی بن گئی تھی۔'' [بخاری، جلد ۱، ص ۳۶۶]

جدید سائنس بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے اور آج کل کے اخبارات و رسائل بھی لڑکیوں کی کم عمری ماں بننے کی تصدیق بھی کرتے ہیں، اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی خود ان کی والدہ نے حضور کے تقاضا کے بغیر کی تھی اور دنیا جانتی ہے کہ کوئی بھی ماں اپنی بیٹی کی دشمن نہیں ہوتی جو اسے کسی نقصان و خسران کی آگ میں جھونک دے، اس لیے ناممکن اور محال ہے کہ انھوں نے بالغ ہونے سے پہلے آپ کی رخصتی کر دی ہو۔

عرب میں کم عمر بچیوں کی شادیوں کا عام رواج تھا، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی لڑکی ام کلثوم کا نکاح عروہ بن زبیر سے، عروہ بن زبیر نے اپنی بھتیجی کا نکاح اپنے بھتیجے سے اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے اپنی لڑکی کا نکاح

ابن مسیب بن نخبہ سے کم سنی میں کیا۔ [الفقہ الاسلامی، ج ۷، ص ۱۸۰]

ان حضرات کا کم سنی میں اپنی لڑکیوں کا نکاح کردینا بھی اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اس وقت کم عمری میں ہی بعض لڑکیوں کے اندر نکاح اور خلوت کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی، تو اگر ایسے معاشرے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح ۶ ؍ سال کی عمر میں ہوتا ہے اور باقاعدہ ان کی ماں کی طرف سے ان کی جسمانی اہلیت کے تعلق سے مکمل اطمینان کر لینے کے بعد ۹ ؍ سال کی عمر میں ان کی رخصتی عمل میں آتی ہے تو اس میں تعجب کیا ہے؟

مذکورہ حقائق وشواہد یہ واضح کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ۶ ؍ سال کی عمر میں نہ نکاح فرمانا کوئی تعجب خیز واقعہ تھا اور نا ہی ۹ ؍ سال کی عمر میں رخصتی کرانا کوئی نئی بات! بلکہ ملک عرب کی آب وہوا، وہاں کے معاشرتی اور سماجی رسم ورواج کے مطابق وہ عمر بچیوں کی رخصتی کے لئے قابل قبول عمر تھی، جس عمر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی ہوئی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ لڑکے لڑکیوں کا شباب وبلوغ صرف عمر ہی پر موقوف نہیں بلکہ زیادہ تر ملکی آب وہوا لڑکے لڑکیوں کے جسمانی ارتقا میں تقدیم وتاخیر کے لئے ذمہ دار ہے، ایک ہی ملک کے قوی الاعضا اور نحیف الاعضا میں چار چار، چھ چھ برس کا فرق پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات چھوٹا لڑکا یا لڑکی بلوغ کو پہنچ جاتے ہیں اور بڑے برسوں پڑے رہ جاتے ہیں۔

دنیا کے ہر خطے میں انسانوں کے رہن سہن، کھان پان، شادی بیاہ اور جینے مرنے کے انداز واطوار مختلف ہیں، رہن سہن کے طریقے اور کھانے پینے کے انداز انسانوں کے جسمانی نشوونما اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ بھی سماجی مسلمات سے ہے کہ آب وہوا کی تبدیلیاں انسان کے جسمانی نشوونما، ان کی صحت وساخت، قدوقامت اور سن بلوغ میں بھی تبدیلیاں لاتی ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں انسانوں کی بلوغت جلد عمل میں آجاتی ہے تو کہیں تاخیر سے، کہیں انسانوں کے عمر لمبی ہوتی ہے تو کہیں کم، کہیں انسانوں کا قد پست ہوتا ہے تو کہیں لمبا اور کہیں بچوں کی جلد شادی کردی جاتی ہے تو کہیں تاخیر سے، یہ تبدیلیاں مختلف ممالک میں مختلف انداز میں انسانوں کو متاثر کرتی ہیں، ایک اہم اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"The average temperature of the country is considered the chief factor with regard to Menstruation and Sexual Puberty.

یعنی کسی بھی علاقے کی بچیوں کے ایام حیض کی شروعات اور ازدواجی بلوغت کی عمر کو پہنچنے میں اس ملک کا اوسط درجۂ حرارت اہم کردار ادا کرتا ہے۔"

[Women: An Historical,Gynecological and Anthropological compendium, Volume I, Lord and Brandsby 1998, p. 563]

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۴ ؍ سو سال یورپ وایشیا، افریقہ اور امریکہ جیسے ممالک میں بھی ۹ ؍ سال سے ۱۴ ؍ سال کی لڑکیوں کی شادیاں کردی جاتی تھیں، مثال کے طور پر سینٹ آگاسٹین نے جس لڑکی سے شادی کی تھی، اس کی عمر ۱۰ ؍ سال تھی، راجا ریچرڈ ۲ ؍ نے جس لڑکی سے شادی کی اس کی عمر ۷ ؍ سال کی تھی، ہینری ۸ ؍ نے ایک ۶ ؍ سال کی لڑکی سے شادی کی تھی۔

۱۹۲۹ء سے پہلے تک برطانیہ میں، چرچ آف انگلینڈ کے وزراء ۱۲ ؍ سال کی لڑکی سے شادی کرسکتے تھے، ۱۹۸۳ء سے پہلے کیتھولک کینان کے قانون نے ابھی اپنے پادریوں کو ایسی لڑکیوں سے شادی کر لینے کی اجازت دے رکھی تھی کہ جن کی عمر ۱۲ ؍ کو پہنچ چکی ہو۔

بہت سے لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ امریکہ کے اسٹیٹ آف ڈیلویرا میں ۱۸۸۸ء میں لڑکی کی شادی کی جو کم سے کم عمر تھی وہ ۸ ؍ سال تھی اور کیلیفورنیا میں ۱۰ ؍ سال تھی، حتیٰ کہ آج تک بھی امریکہ کے کچھ اسٹیٹس میں لڑکیوں کی شادی کی جو عمر ہے، وہ میسیچوسس میں ۱۲ ؍ سال اور نیو ہمسفر میں ۱۳ ؍

ادارتیہ

سال اور نیویارک میں ۲۴ رسال کی عمر ہے، یہاں تک تو عیسائیت اور مغربی ممالک میں لڑکی کی شادی کی مناسب عمر اور وہاں کے معروف شخصیات کے متعلق تھا، جس سے یہ صاف ثابت ہوجاتا ہے کہ تاریخی نکتہ نظر سے اس عمر کی لڑکی سے نکاح کرنا ایک عام سی بات تھی جسے کوئی معیوب نہیں سمجھتا تھا۔

ہندو دھرم میں شادی کی عمر

آخر میں ہم ہندو مذہب کی کتابوں پر بھی نظر ڈالتے چلتے ہیں چنانچہ ہندو مذہب کی مشہور کتاب ''منوسمرتی'' میں لکھا ہے:

"A girl should be given in marriage before puberty."[Gautama 21–18]

یعنی لڑکی کے بالغ ہونے سے پہلے ہی اس کی شادی کر دینی چاہئے۔

دوسری جگہ میں یوں تحریر ہے:

Out of fear of the appearance of the menses, let the father marry his daughter while she still runs about naked. For if she stays in the home after the age of puberty, sin falls on the father." [Vashistha 17–70]

یعنی اس ڈر سے کہ کہیں ایام حیض نہ شروع ہوجائیں، باپ کو چاہئے کہ اپنی لڑکی کی شادی اسی وقت کردے، جب وہ بے لباس گھوم رہی ہو، کیونکہ اگر وہ بلوغت کے بعد بھی گھر میں رہی تو اس کا گناہ باپ کے سر ہوگا۔

[www.payer.de/dharmashastra/dharmash083.htm/ /manu ix 88 http]

یہ بات بھی سبھی جانتے ہیں کہ ایسی کم عمری کی شادیوں کا رواج ہندوستان کے بیشتر صوبوں میں آج بھی ہے، چنانچہ The Encyclopedia of Religion and Ethics میں لکھا ہے کہ جس کی بیٹی اس حالت میں بلوغت کو پہنچتی تھی کہ وہ غیر شادی شدہ ہو تو اس کے (ہندو) باپ کو گنہگار سمجھا جاتا تھا، اگر ایسا ہوتا تو وہ لڑکی خود بخود ''شدر'' (نچلی ذات) کے درجہ میں چلی جاتی تھی اور ایسی لڑکی سے شادی کرنا شوہر کے لئے باعث رسوائی ہوا کرتا تھا۔

''منو'' کی اسمرتی نے مرد اور عورت کے لئے شادی کی جو عمریں طے کی ہیں، وہ اس طرح ہے، لڑکا ۳۰ رسال کا اور لڑکی ۱۲ رسال کی یا لڑکا ۲۴ رسال کا اور لڑکی ۸ رسال کی، مگر آگے چل کر بھر اسپتی اور مہا بھارت کی تعلیم کے مطابق ایسے موقعوں پر لڑکیوں کی جو شادی کی عمر بتائی گئی ہے، وہ ۱۰ رسال اور ۷ رسال ہے، جبکہ اس کے بعد کے ''شلوکاس'' میں شادی کی کم از کم عمر ۴ رسے ۶ رسال اور زیادہ سے زیادہ ۸ رسال بتائی گئی ہے اور اس بات کے بے شمار شواہد ہیں کہ یہ باتیں صرف تحریر میں ہی نہیں تھیں بلکہ ان پر باقاعدہ عمل بھی کیا جاتا تھا۔

[encyclopedia of religion and ethics, p.450]

ہندوستان میں شادی کی عمر

اس کے متعلق کیمبرج کے سنٹ جانس کالج کے Jack Goody نے اپنی کتاب The Oriental, the Ancient and Primitive میں لکھا ہے کہ ہندوستانی گھروں میں لڑکیاں بہت ہی جلد بیاہ دی جاتیں تھیں، سری نواس ان دنوں کے بارے میں لکھتے ہیں'' جب انڈیا میں بلوغت سے قبل شادی کرنے کا رواج چلتا تھا، (1984:11) لڑکی کی اس عمر کو پہنچنے سے پہلے اس کی شادی کردینی ہوتی تھی، ہندو لاء کے مطابق اور ملک کے رواج کے موافق لڑکی کے باپ پر یہ ضروری تھا کہ وہ بالغ ہونے سے پہلے اس کی شادی کردے، گرچہ رخصتی میں اکثر تاخیر ہوتی تھی، جو تقریباً ۳ رسال ہوتی تھی۔

[The Oriental, the Ancient, and the Primitive, P208]

کم عمری میں نکاح عائشہ کی حکمت

یہ حقیقت بھی ذہن نشین رہے کہ حضور ﷺ نے یہ نکاح اپنے طبعی میلان کی وجہ سے از خود نہیں فرمایا بلکہ من جانب اللہ آپ کو خواب میں کئی بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شکل دکھا کر ان سے نکاح کی ترغیب دی گئی تھی، چنانچہ نبی کریم

اداریہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس خواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"أريتك في المنام مرتين إذا رجل يحملك في سرقة حرير فيقول هذه امرأتك فأكشفها فإذا هي أنت فأقول إن يكن هذا من عند الله يمضه. یعنی تم مجھے دو بار خواب میں اس طرح سے دکھلائی گئیں کہ ایک شخص تم کو ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر دکھلاتا ہے کہ یہ آپ کی بیوی ہیں، میں جب کپڑا اٹھا کر دیکھتا تو تمہاری صورت نظر آتی تھی، میں نے کہا کہ اگر یہ خواب خدا کی طرف سے ہے تو پورا ہو کر رہے گا۔"

[بخاری، حدیث نمبر ۵۰۱۱]

ایک روایت کے مطابق تین بار خواب میں حضور کو آپ کی شکل دکھا کر آپ سے نکاح کی ترغیب دی گئی، ان خوابوں سے واضح ہو گیا کہ مشیت ایزدی کو اس نکاح سے کسی خاص مقصد کی تکمیل منظور تھی ورنہ بذریعہ خواب بار بار حضور کو اس کی ترغیب دینے کی کیا ضرورت تھی، یہی وجہ تھی کہ بچپن ہی سے آپ کے روحانی اور جسمانی نشو ونما مافوق العادت ترقی پذیر تھے، قدرت کا یہ خاص انداز تربیت آپ کے ساتھ اسی لئے تھا کہ آپ کے ذریعہ کچھ اہم اور نمایاں کارنامے انجام دینے تھے، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ آپ باوجود کمسن اور صنف نازک ہونے کے بڑے بڑے فقہائے صحابہ پر علم وفن اور فضل وکمال میں فوقیت رکھتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کم سنی میں اس لئے نکاح کیا گیا تاکہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ عرصہ تک اکتساب علم وفضل کر سکیں اور ان کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ افراد اسلامی تعلیمات حاصل کر سکیں، چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اڑتالیس سال تک صحابہ کرام اور تابعین عظام ان کی خداداد ذہانت وفراست، ذکاوت وبصیرت اور علم وعرفان حاصل کرتے رہے۔ [زرقانی ج ۳، ص ۲۲۹-۲۳۶]

تمام ازواج مطہرات میں ایک آپ ہی کی ذات بابرکات تھی جس کی پرورش وپرداخت اسلامی ماحول میں ہوئی تھی اور مزید کاشانۂ نبوت میں آکر آپ کی تعلیم وتربیت ہر لحاظ سے مکمل، منفرد اور مثالی ہوئی، یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کا ایک مؤثر ترین ذریعہ بن سکیں۔

چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والدین کا گھر تو پہلے ہی نور اسلام سے منور تھا، عالم طفولیت ہی میں انہیں کاشانۂ نبوت تک پہنچا دیا گیا تاکہ ان کے سادہ لوح دل پر اسلامی تعلیمات کا گہرا نقش مرتسم ہو جائے، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی نوعمری میں ہی کتاب وسنت کے علوم میں گہری بصیرت حاصل کر لی تھی، اسوۂ حسنہ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعمال وارشادات کا ایک بڑا ذخیرہ اپنے ذہن ودماغ میں محفوظ کر لیا، پھر بعد میں وہ علوم ومعارف درس وتدریس اور نقل وروایت کے ذریعہ امت کے حوالہ کئے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ سے ۲۲۱۰ رحدیثیں روایت فرمائیں جو تعداد کے اعتبار سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تمام صحابۂ کرام میں سب سے زائد ہیں، آپ غیر معمولی ذہین اور بہترین قوت حافظہ کی مالک تھیں، کم عمری میں نکاح ہی کے سبب آپ کو حضور ﷺ سے اکتساب علم وفضل کا سب سے زیادہ موقع ملا، جس کی بدولت آپ نے ایک ماہر فن معلمہ، ایک بالغ نظر فقیہہ اور باکمال محدثہ کا کردار ادا کیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کو کبھی کوئی ایسی مشکل پیش نہ آئی جس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا ہو، اور ان کے پاس اس کی کوئی معلومات نہ ہوں، نیز امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ علم والی تھیں، بڑے بڑے صحابہ ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شکل میں مسلم عورتوں کو شرعی مسائل کی تعلیم وتفہیم کے لئے ایک ایسی کامل معلمہ مل گئی جس نے ان کے باریک سے باریک تر پوشیدہ مسائل انھیں واضح طور پر ذہن نشین کرا دیا، کیونکہ عورتوں کی اکثریت

ادارِیہ

ایسی تھی جو فطرتاً بعض شرعی مسائل کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کرنے میں شرم محسوس کرتی تھی، خاص طور پر وہ مسائل جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں، چنانچہ انصار کی عورتیں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آتیں اور ان سے دین کے مسائل مثلاً حیض، نفاس، جنابت اور وظیفہ زوجیت وغیرہ کے احکام کے متعلق سوال کیا کرتیں۔

تمام ازواج مطہرات میں صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کنواری تھیں، دیگر ازواج یا تو بیوہ، مطلقہ یا پھر شوہر دیدہ تھیں، یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ جس کے صدقے میں ساری کائنات تمام تر نعمتوں سے بہرہ ور ہو رہی ہے اس کے حصے میں کوئی کنواری عورت نہ آئے۔

اس نکاح کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ رسالت وخلافت کے درمیان قرابت داری کا ایک اور مضبوط رشتہ قائم ہوجائے جس کے ذریعہ اسلام کو مزید تقویت ملی اور یہی مقصد ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح میں بھی کارفرما تھا۔

ایک نکتہ کی بات

اگر اس وقت اس طرح کا نکاح عرب میں معیوب ہوتا تو سب سے پہلے کفار قریش جو حضور ﷺ کے ازلی دشمن اور بدترین مخالف تھے، وہ اس موقع کو کیسے اپنے ہاتھ سے جانے دیتے؟ انھوں نے اس نکاح پر کیوں نہیں اعتراض کیا؟ ظاہر ہے صرف اس لئے کہ اس وقت سماج میں اتنی کم عمر لڑکیوں کا نکاح عام بات تھی اور حضور کے بدترین دشمنوں کے نزدیک بھی اس میں عیب کا کوئی شائبہ تک نہ تھا، جس کو بنیاد بنا کر وہ آپ کو مطعون کرتے یا آپ کی صاف وشفاف شخصیت کو گرد آلود کرتے۔

مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ ایسا شرمناک الزام اس ذات با برکات پر لگایا جارہا ہے جس نے اپنا پہلا نکاح عین ۲۵ رسال کے قابل رشک ایام شباب میں دو دو شادیاں کر چکی بچوں والی ایک ۴۰ رسالہ بیوہ عورت سے کیا اور اپنی پوری جوانی اسی عمر دراز خاتون کے ساتھ گزار دی، یہاں تک کہ آپ کی عمر ۵۰ رسال سے زائد ہوگئی، جب آپ کی پہلی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوگیا، اس کے بعد ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح کیا، وہ بھی اپنی عمر کے ۵۰ رسال گزر جانے کے بعد! جو عموماً بڑھاپے کی عمر ہوتی ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوا آپ نے جن خواتین سے بھی نکاح کئے وہ سب کی سب بیوہ، مطلقہ اور بعض ضعیف العمر تھیں، اگر نبی کریم ﷺ کے ان متعدد نکاحوں میں یا حضرت عائشہ صدیقہ سے نکاح میں نفسانی خواہشات کی تکمیل کا منشا کارفرما ہوتا تو پھر عین ایام شباب میں ایک ۴۰ ر سالہ بیوہ عورت سے کیوں نکاح کرتے؟ چلو ایک نکاح بیوہ سے کرلیا مگر بقیہ سارے نکاح تو کنواری اور نوجوان عورتوں سے کرسکتے تھے، آخر بیواؤں اور معمر خواتین سے کیوں کیا؟ کیا کوئی معمولی سا شعور رکھنے والا انسان بھی اسے خواہشات نفس کی تکمیل کا نام دے سکتا ہے؟ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کور چشم عین نصف النہار کو شب تار ثابت کرنے پر بضد ہو۔

تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ ابرو پر اپنا سب کچھ قربان کردینے میں فخر محسوس کرتے تھے، اگر آپ کسی بھی خوبرو، جوان اور کنواری لڑکی سے شادی کی آرزو کرتے تو یقیناً ان میں سے کوئی ذرا بھی تامل نہ کرتا بلکہ آپ کی آرزو کی تکمیل میں فخر محسوس کرتا، اس کے باوجود آخر کیا وجہ تھی کہ آپ نے عنفوان شباب میں شادی نہ کی اور کی تو کیوں کنواریوں کو چھوڑ کر بیواؤں کو ترجیح دی، حتیٰ کہ مشرکین مکہ نے بھی دعوت حق سے دستبردار ہوجانے پر نبی اکرم کو سب سے خوبصورت لڑکی سے نکاح کی پیشکش کی تھی، مخالفین اسلام حضور ﷺ کے اس طرز عمل کا کیا جواب دیں گے؟

اس نکتہ پر ادنیٰ غور وفکر سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ حضور ﷺ نے جتنی بھی شادیاں کیں وہ نفسانیات کے پیش نظر نہ تھیں بلکہ تمام کی تمام شادیاں دین اسلام کی پیش رفت، اپنے رفقا کے ساتھ مودت ومحبت کے رشتہ کی استواری اور دیگر دینی، معاشرتی وسیاسی مصالح جیسے بلند مقاصد کے تحت کی گئیں تھیں۔

چنانچہ تاریخی اوراق شاہد ہیں کہ جنگ بدر واُحد میں سیکڑوں

کی تعداد میں صحابہ کرام شہید ہوئے، نتیجے کے طور پر ان کی بیوائیں اور بچے یتیم ہو کر بے یار و مددگار ہو گئے، اس پریشان کن مسئلہ کو حل کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو بیواؤں سے نکاح کرنے کا مشورہ دیا اور لوگوں کو عملی ترغیب دینے کے لیے پہلے خود آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے مختلف اوقات میں نکاح کئے، آپ کے اس حسن عمل سے متأثر ہو کر بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے بیواؤں سے نکاح کئے جس کے سبب کئی برباد و بے سہارا گھرانے دوبارہ آباد ہو گئے۔

عربوں کا یہ بھی دستور تھا کہ جو شخص ان کا داماد بن جاتا، اس کے خلاف جنگ کرنا اپنی شان و عظمت کے خلاف سمجھتے تھے، حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے سے قبل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے مگر جب ان کی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح فرمالیا تو یہ دشمنی کم ہو گئی، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا شروع ہی میں مسلمان ہو کر اپنے مسلمان شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں، وہاں ان کا خاوند نصرانی ہو گیا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سے علاحدگی اختیار کی اور بہت مشکلات سے گھر پہنچیں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی دل جوئی فرمائی اور بادشاہ حبشہ کے ذریعہ ان سے نکاح کیا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا والد قبیلہ مصطلق کا سردار تھا، یہ قبیلہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع تھا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قبیلہ سے جہاد کیا جس میں ان کا سردار مارا گیا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قید ہو کر ایک صحابی رسول کے حصہ میں آئیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورہ کر کے سردار کی بیٹی کا نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کر دیا اور اس نکاح کی برکت سے اس قبیلہ کے سو گھرانے آزاد ہوئے اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

خیبر کی لڑائی میں یہودی سردار کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا قید ہو کر ایک صحابی کے حصہ میں آئیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے مشورے سے ان کا نکاح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرادیا، اسی طرح میمونہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کی وجہ سے نجد کے علاقہ میں اسلام پھیلا، ان شادیوں کا مقصد بھی یہی تھا کہ لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب آسکیں اور اخلاق نبی کا مشاہدہ کرسکیں تاکہ انہیں راہ ہدایت نصیب ہو۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح متبنیٰ کی رسم توڑنے کے لیے کیا، حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے، ان کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوا، آپس میں نباہ نہ ہونے پر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں طلاق دے دی پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا اور یہ ثابت فرما دیا کہ متبنیٰ حقیقی بیٹے کے ذیل میں ہرگز نہیں آتا، غرض کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر نکاح کا ایک مقصد تھا جو مشیت الٰہی کے تحت معرض وجود میں آیا۔

درحقیقت دشمنان اسلام نے روز اول ہی سے پیغمبر اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کا یہ سلسلہ شروع کر دیا تھا، آپ کی رسالت کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا، آپ کے معجزات پر عیب جوئی کی اور طرح طرح کی بہتان طرازی کی تاکہ مسلمان اپنے دین کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہو جائیں اور آپ کی رسالت کو ماننے سے باز رہیں، معلوم ہوا کہ مخالفین اسلام کی اس زہر افشانی اور ہرزہ سرائی کا واحد سبب اسلام اور بانئ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دیرینہ بغض و عناد اور مذہبی منافرت ہے جو انھیں اس طرح کی لایعنی اور غیر معقول باتوں پر ابھارتی رہتی ہے پھر تو ان پر ہذیان کا وہ دورہ پڑتا ہے جس سے معمولی سا شعور رکھنے والا انسان بھی ان کے عقل و خرد پر ماتم کرنے لگتا ہے، مولائے کریم سب کو عقل سلیم عطا فرمائے، آمین۔ ■■■

ص ۱۷/ کا بقیہ ......

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ماہ ربیع الآخر بہت ہی محترم اور عظمت والا مہینہ ہے، اس ماہ میں نماز کی ادائیگی اور اوراد و وظائف

ہیں مشغولیت دین و دنیا و آخرت کو سنوارنے والی ہے، مولائے کریم ہم سب سنیوں کو اس مہینے میں خوب خوب عبادت و ریاضت اور خیرات و صدقات کی توفیق رفیق عطا فرمائے، آمین۔ ■■■

ص ۲۳ / کا بقیہ..........

نعمت ثابت ہو، اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اولاد کی پرورش اور نام رکھنے میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم اور خوشنودی کا خیال ہمیشہ دل میں جاگزیں فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اسلامی طرز زندگی گزارنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔ ■■■

ص ۵۵ / کا بقیہ..........

ہے، کے نعرے کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

قادیانیوں کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ آج کے اس دور میں جب کیبل ٹی وی عام ہے اور ڈش اینٹینا کا استعمال پاکستان میں عام گھر یلو صارفین کے لئے متروک و معدوم ہو چلا ہے لیکن اس کے باوجود قادیانی ایم ٹی اے چینل دیکھنے کے لئے اپنے گھروں میں ڈش انٹینا لگاتے ہیں اور جن مسلمانوں پر یہ اپنے دجل وفریب کی طبع آزمائی کرتے ہیں، ان کو اکثر تبلیغ کی نیت سے اپنا یہ ٹی وی چینل اپنے گھر یا علاقے کے قادیانی مرکز میں بلا کر دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، قادیانیوں کا مشہور چینل ''منارۃ المسیح'' ہے جو ہندوستان کے صوبہ پنجاب کے قادیان میں واقع ہے، جس منارہ کو یہ اپنے ٹی وی چینل پر مسلمانوں کے مقابلے میں خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی کی جگہ دکھا کر اس کو مشتہر کرتے ہیں۔

(۸) سب سے اہم نشانی یہ ہے کہ قادیانی ناموں کے آغاز میں آپ کو محمد لگا نظر نہیں آئے گا اور نا ہی کوئی پیدائشی قادیانی آپ کو اس طرح کا خالص اسلامی نام رکھتا ہے، جیسے کہ عبداللہ، مصطفیٰ، عبدالرشید، عبدالقیوم وغیرہ جب کہ ان کے ناموں کے اختتام میں احمد لگا ہوتا ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے نام کا بھی حصہ تھا اور قرآن میں موجود آقا ﷺ کے اسم گرامی ''احمد'' سے بھی وہ ''مرزا غلام احمد قادیانی'' کو ہی مراد لیتے ہیں، معاذ اللہ۔

(۹) یاد رہے کہ پاکستان اور دنیا کے دیگر حصوں میں پائے جانے والے زیادہ تر قادیانی پنجابی زبان بولنے والے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں کیوں کہ مرزا قادیانی کا تعلق بھی تقسیم ہندوستان سے قبل ''قادیان'' ضلع گورداسپور پنجاب سے تھا، اس لئے ان کی تبلیغ کا زیادہ اور مرکزی دائرہ اثر بھی تقسیم سے قبل اور بعد میں بھی پنجاب ہی رہا تا کہ یہاں موجود سادہ لوح دیہاتی اور ملنسار لوگوں اس فتنے کی آبیاری ہو سکے، مولائے کریم مسلمانوں اس ''قادیانی فتنے'' سے محفوظ رہیں اور اپنا ایمان و اسلام سلامت رکھ سکیں۔ ■■■

ص ۱۴ / کا بقیہ..........

رہے مگر ہزار ہا آنکھوں نے جو مناظر دیکھے ہیں انھیں کہاں تک جھٹلایا جا سکتا ہے، حج کے ایام میں ہر چند احتیاط سے کام لیا گیا، مگر پھر بھی وہ بے تمیزی جو خمیر ہے، وہ عناد جو فطری ہے، وہ عداوت اسلام جس نے نجدیوں کو بیتاب کر رکھا ہے ظاہر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، بہت سے حاجیوں کو بھی اس کے دست جفا سے ستم اٹھانا پڑے، مطاف میں، سعی میں، کتنے ان کے بے تمیزی سے روند گئے، حج کا خطبہ نہ ہوا، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، مصلوں پر نمازیں روک دی گئیں۔

لطف یہ کہ اپنے کو حنبلی کہتے ہیں، حنبلی مصلے پر بھی نمازیں روکیں، اس سے اس کی حنبلیت کے نمائشی دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے اور مکاری عیاں ہو جاتی ہے، مدینہ طیبہ میں کیا کیا ستم نہ ڈھائے، کیا کیا قیامتیں نہ برپا کیں، مکہ مکرمہ میں جنۃ المعلیٰ کو برباد کیا تھا، مدینہ طیبہ میں جنت البقیع کو تباہ کیا، اجلۂ اصحاب کرام حضور کے اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات، خاتون جنت، حضرت ذوالنورین، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت امام حسن، حضرت سید الشہداء، حضرت امیر حمزہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مزارات مقدسہ مسمار کر ڈالے، ان بے دینوں کو توحید کا ہر نشان، موحدین کی ہر یادگاریں، اکابر اسلام کے معالم، سب نظر میں کھٹکتے ہیں، اپنے سوا تمام جہاں کو مشرک جانتے ہیں، اگر ان کی حکومت کو وسعت ہو جائے تو آج دنیا کا ہر مسلمان ان کے فتویٰ سے گردن زدنی اور مباح الدم ہے، وہ کفار کے رہنے بسنے کیلئے مسلمانوں کے وجود سے خالی کر دینا چاہتے ہیں۔ ■■■ ■■■

از: علامہ احسان الحق نعیمی علیہ الرحمہ*

نجدی اور اسلام

فکر و نظر

اسلام کے لئے ہر زمانہ میں گوناگوں مصائب لازم رہے اور اس کے حق میں دشمنان دین نے طرح طرح کی فتنہ انگیزیاں کیں اور ہر فتنہ بلا کے ایک پہاڑ کی طرح ٹوٹا اور جب کوئی ایسی بڑی مصیبت رونما ہوئی دنیا کے کفار نے یقین کیا کہ اس حملہ سے اسلام نہیں بچ سکتا اور جس طرح سکرات کے عالم میں کسی مریض کی نفس شماری کی جاتی ہے، اسی طرح وہ بغلیں بجا بجا کر اسلام کے فنا کی گھڑیاں گننے لگے، لیکن اسلام کی روحانیت نے ان تمام ترتاریکیوں کے پردے چاک کر دیئے اور ان گھنگھور گھٹاؤں سے جب اپنے جلوۂ جہاں تاب کا ظہور کیا تو دنیا کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں، دشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اپنی منہ کھا کر رہ گئے، ایسا کئی مرتبہ ہوا، صدیاں اسی میں گزر گئیں، شمار کہاں تک کیا جائے؟

آج بھی طرح طرح کے فتنے برپا ہیں اور ان پر انواع و اقسام کی مصیبتیں آرہی ہیں ان سب میں نہایت بھیانک اور تمام عالم اسلام کو تڑپا ڈالنے والی جو مصیبت ہے وہ نجدیوں کا فتنہ ہے جنھوں نے حرمین طیبین کی پاک اور مقدس سرزمین پر ناجائز طور پر تسلط کر کے بے گناہ مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو نہایت ہی ظلم و ستم، بے رحمی اور سفا کی کے ساتھ شہید کیا حرمین طیبین کے رہنے والوں کے خاندان تباہ و برباد کر دیئے۔

گھر کے گھر اجڑ گئے، دارالامن کے باشندے دشت و جبل میں سرگردان پھر رہے ہیں، نہ بیٹے کو باپ کی خبر ہے، نہ باپ کو اولاد کا حال معلوم ہے، ماں سے فرزند جدا ہے اور فرزند سے ماں کی شفقت والی گود، رات دن ان بلا کشان مصیبت کو غم و اندوہ میں کراہتے گزر جاتے ہیں، شب و نہار کی تلخ ساعتیں کاٹے نہیں کٹتیں، اسی پر بس نہیں ہے، ابھی ظالم کو صبر نہیں آیا، ہاشمیوں کے خون بہا کر وہ سیراب نہیں ہوا، صحابہ کرام اور اکابر امت کے وہ مزارات جو توحید کے علم اور اسلام کی شوکت کی یادگاریں تھیں، کفار کی حسرتیں نکالنے اور ان کے دل خوش کرنے کے لئے بے دینوں نے سطح خاک برابر کر دیں۔

آہ! سرزمین حرم کا وہ بقعہ آج ظلم و جفا کے تیروں کا آماجگاہ بن رہا ہے جس کا قصد کرنے والے ہندی مسلمان جہازہی سے حدود یلملم میں داخل ہوتے ہوئے آرام و آشائش کا لباس اوتار ڈالتے تھے اور احرام باندھ کر اس سرزمین پاک میں داخل ہوتے تھے شریعت نے یہی ادب بتایا تھا۔

آج وہاں بے دین گستاخ تلواریں چلاتے اور خون بہاتے ہیں، آج مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کے مزارات کے ساتھ بے ادبیاں کی جاتی ہیں اور کس طرح کن بے باکیوں کے ساتھ ان پاک روحوں کے مزارات کی اہانت کی جاتی ہے قلم کو یارائے تحریر نہیں ہے، دنیا کیا اقوام میں وحشت و خونخواری کا وہ نمونہ جو نجدی نے سرزمین حرم میں دکھایا ہے تلاش کرنا بیکار ہے وہ اپنے طرز ستم میں لاثانی ہے۔

وہ حبیب خدا کی یادگار، وہ خدا کی رحمت کا مظہر، وہ توحید کے علمبردار کی قدم گاہ، وہ اسلام کے ظہور و شیوع کا منبع، نجدیوں کے ناپاک ہاتھوں سے گرایا جارہا ہے، ہزارہا اولیاء نے، بے شمار ائمہ نے، اکابرین دین نے، محدثین نے، صالحین نے جس کو زیارت گاہ سمجھا تھا، جس زیارت کی تمنا دل میں رکھتے تھے اس کی کیسی اہانتیں کیں، اسلام کی عبادت گاہیں مسجدیں جن کے بنانے پر جنت میں گھر بنانے کا ثبوت حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا، حجاز مقدس میں گرادی گئیں، دنیا کے کفار ان خبروں کو سن کر کس قدر خوش ہوتے ہیں۔

مرکز اسلام کی بربادی پر کیسے قہقہے اڑاتے ہیں مگر ان بے دینوں کا مدعا ہی یہ ہے وہ اسلام کی شوکت کے دشمن ہیں، ہر چند ہندوستان کے نجدی ان واقعات پر پردے ڈالتے بقیہ ص ۱۳ پر

* مضمون نگار ماہنامہ یادگار رضا، بریلی شریف کے پہلے ایڈیٹر اور مرکز اہل سنت کے ایک معتبر مفتی تھے۔

از: مفتی محمد صابر القادری فیضی*

ماہ ربیع الآخر کے فضائل اور معمولات

ربیع الآخر اسلامی سال کا چوتھا اور بہت ہی عظمت و اہمیت کا حامل مہینہ ہے، ربیع الآخر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینہ کا نام رکھنے کے وقت موسم ربیع کا آخری دور تھا، اس لئے اس ماہ کا نام ربیع الآخر رکھا گیا۔

اس ماہ کے مشہور واقعات

ربیع الآخر کے مشہور واقعات یہ ہیں کہ اس ماہ کی تیسری تاریخ کو حجاج نے کعبہ معظمہ پر آگ پھینکی تھی، جب کہ ابن حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما محصور تھے جس تاریخ کو خانۂ کعبہ جل گیا تھا اور اسی ماہ کی چودھویں تاریخ کو نماز فرض ہوئی۔

[عجائب المخلوقات ص ۴۵]

اسی ماہ مبارک میں سیدنا قطب الاقطاب، فرد الافراد، شیخ الاسلام والمسلمین، غوث الثقلین الشیخ محی الدین عبد القادر الحسنی و الحسینی الجیلانی الحنبلی المعروف پیران پیر دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک ہوا، مگر وصال پاک کی تاریخ میں قدرِ اختلاف ہے بعض نے نویں، بعض نے سترہویں اور بعض نے گیارہویں ربیع الآخر کو وصال شریف بتایا ہے۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: **وقد اشتھر فی دیارنا ھذا الیوم الحادی عشر و ھو المتعارف عند مشائخنا من اھل الھند من اولادہ۔** یعنی ہمارے اس ملک میں آپ کی تاریخ وصال شریف گیارہویں تاریخ مشہور ہے اور ہمارے ہندستان کے مشائخ اور ان کی اولاد کے نزدیک یہی متعارف اور مشہور ہے، سال بھر میں اس تاریخ کو بزرگ لوگ سرکار غوثیت کا عرس مبارک کرتے ہیں، اس کو بڑی گیارہویں کہا جاتا ہے۔ [ماثبت من السنہ، ص ۱۲۳]

حضور غوث اعظم کے مختصر حالات

قطب الاقطاب، فرد الافراد، غوث اعظم شیخ شیوخ العالم، غوث الثقلین امام الطائفتین، شیخ الطالبین، شیخ الاسلام محی الدین ابو محمد عبد القادر الحسنی والحسینی الجیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل سنت میں کامل ولی اور سادات حسنیہ میں بڑی بزرگی کے مالک ہیں، نسبی اعتبار سے آپ عبد اللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد میں سے ہیں قصبہ جیل کی طرف جسے جیلان یا گیلان بھی کہتے ہیں آپ کی نسبت ہے، آپ کی ولادت ۴۷۰ھ اور ایک روایت کے مطابق ۴۷۱ھ میں ہوئی، آپ کی عمر شریف کے ابتدائی تینتیس سال درس و تدریس اور فتویٰ دینے میں اور چالیس سال مخلوق خدا کی رشد و ہدایت اور نصیحت میں صرف ہوئے اور نوے سال کی عمر پا کر ۵۶۱ھ مطابق ۱۱۸۲ء میں داعی اجل کو لبیک کہا، نماز جنازہ میں بے شمار لوگ حاضر ہوئے کثرت ہجوم کے باعث رات کے وقت آپ کے مدرسہ میں سائبان کے نیچے آپ کا جسم مبارک سپرد خاک کیا گیا، بغداد شریف میں آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔

۴۸۸ھ میں جبکہ آپ کی عمر مبارک اٹھارہ سال تھی، آپ بغداد میں تشریف لائے اور اس وقت کے شیوخ، ائمہ، بزرگان دین اور محدثین کی خدمت کا قصد فرمایا اور قرآن کریم کو روایت و درایت اور تجوید و قرأت کے اسرار و رموز کے ساتھ حاصل کیا اور زمانہ کے بڑے محدثین اور اہل فضل و کمال و مستند علمائے کرام سے سماع حدیث فرما کر علوم کی تحصیل و تکمیل فرمائی حتیٰ کہ تمام اصولی، فروعی، مذہبی اور اخلاقی علوم میں علمائے بغداد ہی سے نہیں بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کے علماء سے سبقت لے گئے اور آپ

*مضمون نگار، مدرسہ عربیہ رحمانیہ رحمان گنج، بارہ بنکی کے پرنسپل ہیں۔

اسلامیات

کوتمام علما پر فوقیت حاصل ہوگئی، سب نے آپ کو مرجع بنالیا۔

[اخبارالاخیار، ص ۳۳]

آپ نحیف البدن، میانہ قد، کشادہ سینہ، لمبی چوڑی داڑھی، گندمی رنگ، پیوست ابرو، بلند آواز، پاکیزہ سیرت بلند مرتبہ اور علم کامل کے حامل تھے، صاحب شہرت وسیرت اور خاموش طبع تھے آپ کے کلام کی تیزی اور بلند آوازی سننے والے کے دل میں رعب وہیبت زیادہ کرتی تھی، یہ آپ کی کرامت تھی کہ مجلس میں دورونزدیک بیٹھنے والے بے کم وکاست بغیر کسی تفاوت کے آپ کی آواز بہ آسانی یکساں طور پر سن لیتے تھے جب آپ کلام کرتے تو ہر شخص پر خاموشی چھا جاتی تھی، جب آپ کوئی حکم دیتے تو اس کی تعمیل میں سرعت ومبادرت کے سوا کوئی صورت نہ ہوتی جب بڑے سے بڑے سخت دل پر نظر جمال پڑ جاتی تو وہ خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کا مرقع بن جاتا اور آپ جب جامع مسجد میں تشریف لاتے تو تمام مخلوق دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر بارگاہ قاضی الحاجات میں دعا کرتی۔

چند حکایات

ایک دن آپ کو جامع مسجد میں چھینک آئی لوگوں نے چاروں طرف سے یرحمك الله اور یرحم ربکم کی آوازیں بلند کیں، خلیفۂ وقت مستنجد باللہ نے جو محراب مسجد میں بیٹھا تھا، پریشان ہوکر دریافت کیا کہ یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ شیخ عبدالقادر کو چھینک آئی تھی، جس پر لوگوں نے انہیں دعا دی ہے۔

منقول ہے کہ ایک دن آپ کی مجلس میں کسی قاری نے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی، آپ نے اس کی ایک تفسیر بیان کی پھر دوسری پھر تیسری حتی کہ حاضرین کے علم کے مطابق اس کی گیارہ تفسیریں بیان کیں، پھر دوسری تفسیر کو شروع فرمایا حتی کہ چالیس تفسیریں بیان فرمائیں اور ہر تفسیر کی سند متصل اور ہر دلیل کی ایسی تفصیل بیان فرمائی کہ غرق حیرت وتعجب ہوگئے، اس کے بعد فرمایا کہ اب ہم قال کو چھوڑ کر حال میں آتے ہیں پھر آپ نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا، اس کلمہ توحید کا زبان سے نکالنا تھا کہ حاضرین کے دل میں شورش و اضطراب موجزن ہوا اور کپڑے پھاڑ کر جنگل کا رخ کیا۔

مشہور ہے کہ حضرت غوث اعظم تمام علما عراق کے مرجع بلکہ تمام دنیا کے طالبان علم کے مرکز تھے اطراف عالم سے آپ کے پاس فتاویٰ آتے تھے جن کا غور وفکر اور مطالعہ کتب کے بغیر فوراً آپ صحیح جواب لکھتے، بڑے بڑے متبحر عالم کو آپ کے خلاف ذرا سا بھی لکھنے یا کہنے کی مجال نہ تھی، ایک مرتبہ عجم سے آپ کے پاس فتویٰ آیا جس میں تحریر تھا ”سادات علما اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ قسم کھائی کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت نہ کرے جس میں نسل انسانی کا کوئی بھی فرد، کسی جگہ بھی اس کا شریک نہ ہو تو اس کی عورت پر تین طلاقیں، اب بتائیے کہ یہ شخص کون سی ایسی عبادت کرے جس سے اس کی قسم نہ ٹوٹے“ اس کا جواب لکھنے سے عراق وعجم کے تمام علما عاجز ہو گئے، تو آپ کے سامنے یہ فتویٰ پیش ہوا آپ نے فوراً غور وفکر کے بغیر فرمایا کہ اس کے لئے خانۂ کعبہ کو طواف کرنے والوں سے خالی کرا لیا جائے پھر یہ شخص تنہا طواف کے سات چکر کرے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ خانۂ کعبہ کا طواف ایسی عبادت ہے کہ اس وقت انسانوں میں سے کوئی بھی اس کا شریک نہ ہوگا۔

[اخبارالاخیار، ص ۳۵]

ربیع الآخر کے نوافل ومعمولات

اس ماہ کی پہلی اور پندرہویں اور انیسویں تاریخوں کو جو کوئی چار رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پانچ پانچ مرتبہ پڑھے تو اس کے لئے ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہزار برائیاں معاف کی جاتی ہیں اور اس کے چار حوریں پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت اعمش بواسطۂ حضرت انس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس مہینے کے ابتدائی ہفتوں میں یا گیارہویں یا سترہویں راتوں میں یا آخری ہفتوں میں چار رکعتیں ادا کرے، اس طرح کہ سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے تو

اسلامیات

اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے لئے جنت میں ستر تخت ہوں گے اور ہر تخت پر ایک حور جلوہ فگن ہوگی۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس شخص نے ربیع الآخر کی پہلی تاریخ میں چار رکعتیں پڑھیں، اس طور پر کہ ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص ستر مرتبہ پڑھا، اس کو اللہ تعالیٰ اس قدر ثواب عطا فرمائے گا جس کا شمار صرف خدا ہی جانتا ہے، میں اس کا ایک شمہ ظاہر کرتا ہوں کہ ایک حج اور ایک عمرہ اور پانچ شہیدوں کا ثواب اس کو ملے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو تمام دنیاوی مصیبتوں سے محفوظ رکھے گا اور اگر اس سے قبل اس کی قسمت میں کوئی مصیبت مقدم ہو چکی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو محو فرمائے گا اور اگر وہ گنہگار ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے گا۔

حکایت

منقول ہے کہ ترکستان کے اطراف و جوانب میں ایک شخص رہتا تھا جو ادائے نماز میں بے حد سستی کرتا اور بروں کی صحبت میں اٹھتا بیٹھتا رہتا، ساتھ ہی اس کی گزر بسر بہت مشکل سے ہوا کرتی تھی، اس نے دوسرے شہر کا سفر کیا کہ وہاں کچھ کھانے اور فاقوں کی تکلیف سے بچے، جب وہ وہاں پہنچا، کچھ دنوں قیام کیا اور اس مدت میں محنت و مزدوری کر کے کچھ دینار جمع کئے بعد ازاں وطن کا قصد کیا، راہ میں بوجہ کثرت بارش دریا زوروں پر تھا، مجبوراً ملاح کو دو درہم دیئے کہ اس پار اتار دے، جب وہ نصف دریا میں پہنچا، ایک فرشتہ جو اس نہر کا محافظ تھا، ظاہر ہوا اور کہا ''اے خدا اس شخص نے اعمال سئیہ کئے ہیں، اس کی موت آ چکی ہے، اس کے بارے میں کیا حکم نافذ ہوتا ہے؟ آواز آئی اے فرشتہ جلدی نہ کر، میں اس کی بدبختی سے تمام کشتی والوں کو ڈبو دوں گا، پس وہ فرشتہ کشتی کے قریب آیا اور ارادہ کیا کہ کل کشتی کو غرق کردے، اتنے میں ہی ایک دوسرا فرشتہ ظاہر ہوا، اور اس نے کہا کہ ٹھہرو، ابھی اس کی عمر میں کچھ باقی ہے، وہ فرشتہ ٹھہر گیا اور انتظار کرنے لگا کہ وقت پورا ہو تو اپنا کام شروع کروں، اسی کشتی میں ایک عالم بھی تھا، اس نے کتاب نکالی اور پڑھنے لگا، دفعۃً کشتی والوں سے کہا کہ اے لوگو! یہ ربیع الآخر کے ابتدائی ایام ہیں، جس شخص نے اس میں خلوص دل سے چار رکعت نماز ادا کی، اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دنیا و آخرت سے نجات دے گا اور حضور پر نور ﷺ کی ہمسائیگی میں اس کو رہنے کی جگہ ملے گی، جب اس شخص نے عالم سے یہ بات سنی، اس کے دل پر نقش ہوگئی اور اسی وقت چار رکعت نماز ادا کی اور سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص پندرہ بار پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ اے رب غفور مجھ کو دین و دنیا کے عذاب سے بچا، جب اس فرشتہ نے اس کی دعا سنی آسمان کی طرف رونما ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین'' اسی کے بعد ایک مچھلی کو حکم دیا، اس نے کشتی میں آ کر ٹکر ماری جس سے ایک تختہ ٹوٹ گیا اور وہ شخص گر کر پانی میں غائب ہو گیا، کچھ دیر کے بعد وہ شخص پانی کے نیچے ایک شہر میں پہنچا، دیکھا کہ ایک نہایت ہی عظیم الشان شہر ہے اور اس میں نوے لاکھ مساجد ہیں، یہ بھی ایک مسجد میں جا کر ٹھہر گیا، اس مسجد کے متولی نے اس کو کھلایا پلایا اور وہ وہیں رہنے لگا، کچھ دنوں بعد ایک خوبصورت عورت سے اس کی شادی کردی اور ۱۲۰/ سال تک وہ دونوں ساتھ رہے، ان سے سات لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں، توفیق الٰہی سے اس قدر عابد و زاہد ہوا کہ تمام دن نماز میں مشغول رہتا، ہمیشہ روزہ رکھتا، صدقات و خیرات کرتا، راتوں کو جاگتا رہتا حتیٰ کہ اللہ کو اس کی عبادت قبول ہوئی اور حضرت جبرئیل کو حکم دیا، اس کو پھر اسی نہر کے کنارہ پہنچا دو، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نصف شب میں اس کو اسی نہر کے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا، صبح ہوئی سخت متعجب ہوا کہ میں یہاں کیونکر پہنچا گرتے پڑتے، ایک طرف چل پڑا کچھ دنوں بعد وہ اپنے سابق شہر میں پہنچا، وطن کو پہچانا، گھر گیا بیوی بچوں نے پوچھا کہاں تھے؟ اس شخص نے کل حال بیان کیا، انہوں نے اسے دیوانہ قرار دیا اور کہا آج نواں دن ہے کہ تم ہمارے پاس سے علاحدہ ہوئے، یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس مدت میں یہ واقعات گزر جائیں، اس شخص نے قسمیں کھائیں، تب یقین ہوا اور وہ مع اپنے بیوی بچوں کے اپنے گھر رہنے لگا۔

[علم الیقین، ص ۳۲۵]

بقیہ ص ۱۳ / پر

اسلامیات

اچھے نام رکھنے کی فضیلت

ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے وارث عطا فرمائے، یعنی اولاد جو نیک وصالح ہو اور اس سے خاندان کی شان بلند ہو اور اس کے لئے شادی ہونے کے فوراً بعد اللہ کے حضور دعائیں مانگی جانے لگتی ہیں اور جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ پیغمبروں نے جس طرح اللہ سے اولاد جیسی نعمت الٰہی کے حصول کے لئے اپنا دست سوال اُٹھایا ہے، اسی طرح اے مسلمانوں تم بھی میرے آگے اپنا دست سوال اُٹھاؤ میں تمہاری جھولی اس نعمت سے بھر دوں گا۔

قرآن پاک میں کئی جگہ اولاد کی دعا کے لئے ذکر موجود ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یوں دعا فرمائی: رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ. الٰہی مجھ کو لائق اولاد دے۔ [سورت ۱۹/آیت ۹۹]

آپ کی اس دعا پر رب کریم نے ارشاد فرمایا: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ. تو ہم نے اسے خوش خبری سنائی ایک عقل مند لڑکے کی۔ [سورت ۱۹/آیت ۱۰۰]

نیز حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی: هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ. اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما بے شک تو دعا کا سننے والا ہے۔

[سورۂ آل عمران، آیت ۳۸]

دوسری جگہ قرآن میں یوں دعائے زکریا علیہ السلام مذکور ہے: اے اللہ ہمیں وارث عطا فرما جو میرا کام اٹھا لے میرا بھی وارث ہو اور اولاد یعقوب کے خاندان کا بھی جانشین ہو اور اے میرے رب تو اسے مقبول بندہ بنالے۔ [سورۂ مریم، آیت ۴-۵]

اس پر اللہ نے یہ خوش خبری سنائی: يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا. اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحیٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام بھی کسی کو نہیں کیا۔ [سورت ۱۹/آیت ۷]

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کی دعا قبول فرمائی بلکہ ان کے لڑکے کا نام بھی تجویز فرما دیا۔

معلوم ہوا کہ بیٹے کی دعا کرنا سنت انبیا ہے مگر نفس کے لئے نہیں بلکہ رب کے لئے کہ وہ دیندار ہو اللہ کا نیک بندہ ہو نیک اور صالح ہو، تاکہ ہمیں قبر میں اس کی نیکیوں سے آرام پہنچے۔

اولاد خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اللہ کی نعمت ہے

اسلام سے پہلے عرب میں لڑکی کی پیدائش کو بہت خراب مانا جاتا تھا اور اس کو اکثر زندہ در گور کردیا جاتا تھا، آج بھی ترقی کا دور کہلانے کے باوجود ہندوستانی معاشرے میں لڑکی کی پیدائش پر اظہار افسوس کیا جاتا ہے، مذہب اسلام نے اس کو سختی سے منع کیا اور ناپسند کیا ہے۔

اچھے نام رکھنے اور برے ناموں سے بچنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ جو اپنے نام سے ہی یکتا اور بے مثل ہے جس نے نہ صرف اس کائنات رنگ و بو کو پیدا فرمایا بلکہ اس کائنات میں حسن وخوبصورتی کے سب سے اعلیٰ نمونہ انسان کو تخلیق فرمایا اور پھر اسے سب سے پہلے خوبصورت نام آدم سے نوازا، اس طرح کائنات ارضی کے ہر ذرے کی ابتدا نام سے ہوئی، انسانی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر چیز میں حسن وجمال کو پیش نظر رکھا جائے۔

اس لئے اللہ پاک نے انسان کو بہترین ساخت اور عمدہ شامہ عطا فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ. یعنی ہم نے انسان کو عمدہ ساخت میں پیدا کیا۔"

* مضمون نگار مسجد ہاجرہ رضویہ اسلام نگر، کپالی، جمشید پور، جھارکھنڈ کے خطیب وامام ہیں۔

لہٰذا والدین کا فرض بنتا ہے کہ اپنے بچوں کی نگہداشت اور پرورش اچھے انداز میں کریں، وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ بچوں کے نام بھی اچھے رکھیں، اچھے نام اچھی علامت کا مظہر ہوتے ہیں اور اچھے نام اللہ عزوجل کو پسندیدہ ہیں، ہمارے آقا ﷺ نے اچھے نام رکھنے اور بُرے ناموں سے گریز کی بار بار تلقین فرمائی ہے اور یہی بات اسلامی تعلیمات میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کو دو نام بہت پسند ہیں اور وہ دو نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، اس لئے یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ نام خوبصورت بامعنی اور ہر لحاظ سے جامع ہو اور پکارتے وقت پورا نام پکارا جائے، اس لئے کہ نام ہی وہ پہچان ہے جو ایک کو دوسرے انسان سے علاحدہ پہچان دیتا ہے اور اس کو ایک دوسرے پر فضیلت عطا کرتا ہے اور انسان کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے ناموں ہی کی تعلیم دی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ [سورت ۲ / آیت ۳۰ - ۳۳]

اچھے ناموں کے اثرات سیرت نبوی ﷺ کی روشنی میں

ارشادِ خداوندی ہے: کہہ دو کہ تم (اللہ تعالیٰ کو) اللہ تعالیٰ (کے نام سے) پکارو یا رحمان (کے نام سے) پکارو سب اس کے اچھے نام ہیں۔ [سورت ۱۷ / آیت ۱۰۹]

اس سے یہ بات ظاہر و معلوم ہوتی ہے کہ رب کریم ہمیں اچھے ناموں کی تلقین فرما رہا ہے، اچھے نام رکھے جائیں اچھے نام سے پکارنا یہ سنت الٰہیہ ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کی اولاد کے لئے دعا کا ذکر قرآن میں موجود ہے، اللہ نے نہ صرف اولاد کی دعا قبول فرمائی (اولاد عطا فرمایا) بلکہ اس کا نام بھی تجویز فرمایا: اے زکریا ہم تجھے خوشی سناتے ہیں، ایک لڑکے کی جن کا نام یحییٰ ہے، اس کے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی نہ کیا۔ [سورت ۱۹ / آیت ۶]

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بہت سی فضیلتیں قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں، یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود نام رکھا، والدین کے سپرد نہ کیا، یہ آپ کی خصوصیت ہے، یہ نام کسی اور کو نہ پہلے ملا نہ بعد میں، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ نام کسی دوسرے آدمی کا نہ رکھا، اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو خوشخبری سنائی اور ان کا نام یحییٰ رکھ دیا، خیال رہے کہ ہمارے بچوں کا نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں، وہ بھی پیدائش کے ساتویں دن بعد مگر ہمارے آقا ﷺ کا نام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام پاک خود رب تعالیٰ نے رکھا، وہ بھی ولادت سے پہلے۔

ہمارے بچوں کے نام اس کے خلاف ہوتے ہیں، اکثر نام صحیح نہیں ہوتے، غلط بھی ہوتے ہیں، کالے آدمی کا نام یوسف خان، بزدل کا نام شیر بہادر، محمد فاضل صدیقی، بہرے کا نام سمیع اللہ انصاری، اندھے کا نام نور اللہ خان رکھ دیا جاتا ہے، مگر رب تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام بالکل صحیح اور نام کے مطابق کام بھی ہوتے ہیں، دیکھئے رب نے حضور ﷺ کا نام محمد رکھا یعنی بہت سراہا ہوا، تعریف کیا ہوا، آج بھی اس نام کی بہار دیکھی جا رہی ہے کہ ہر جگہ ہر وقت ہر زبان میں حضور ﷺ کی تعریفیں ہو رہی ہیں، اسی طرح رب تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کا نام رکھا یعنی زندگی بخشنے والے یا زندہ جاوید رہنے والے، یہ نام ان پر بہت سجا اب تک وہ زندہ ہیں اور تاقیامت زندگی بخشیں گے، چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بے مثال تارک الدنیا اور عابد و زاہد ہوئے تھے، نبیوں کے نام اللہ تعالیٰ نے رکھے اور ان کے نام و کام کا کفیل ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ہمارے حضور کے بارے میں فرمایا تھا: اِسْمُہٗ اَحْمَد۔ ان کا اسم شریف احمد ہے اور یحییٰ علیہ السلام ان رسولوں میں سے ہیں جنہیں بچپن ہی سے نبوت ملی، یہ اللہ تعالیٰ کے نام رکھنے کی برکت سے ہوا۔

اچھے ناموں کے اثرات

آج کل عام مزاج بنتا جا رہا ہے کہ بچوں کے ناموں میں جدت ہو، ایسا نام رکھا جائے کہ کسی اور کا نہ ہو، خواہ اس کا مفہوم و معنیٰ کچھ بھی نکلتا ہو، حالانکہ پیارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”سمو ابا سماء الأنبیاء۔ انبیاء علیہ السلام کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھو۔“ [ابوداؤد]

اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے اپنے آخری صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا جو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک

سے پیدا ہوئے تھے، ایک حدیث پاک میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: تدعون یوم القیٰمۃ باسماء کم و اسماء آباء کم فاحسنوا اسماء کم۔ قیامت کے دن تمہیں تمہارے اور تمہارے آباء کے نام سے پکارا جائے گا، لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔'' [مسند احمد]

رب تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور ہمارے آقا ﷺ کا نام رکھا، اس نام کا پہلے کوئی نہ تھا (یحییٰ، احمد) اللہ کے رسول محسن کائنات ﷺ نے بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بعد آپ کے کان میں آذان دی، منھ میں لعاب دہن ڈالا اور آپ کے لئے دعا فرمائی پھر ساتویں دن آپ کا نام حسین رکھا اور عقیقہ کیا، حضرت امام حسین کی کنیت ابو عبد اللہ اور لقب ''سبط رسول'' و ریحانۂ رسول ہے۔

حدیث پاک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کا نام شبّر اور شبیر رکھا اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انہیں کے نام پر حسن اور حسین رکھا۔ [صواعق محرقہ، صفحہ 118]

سریانی زبان میں شبّر اور شبیر اور عربی زبان میں حسن اور حسین دونوں کے معنیٰ ایک ہیں، ابن الاعرابی مضفل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں نام مخفی (پوشیدہ) رکھے یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا۔ [اسرف المؤید صفحہ 70]

احادیث میں اچھے نام جس سے عبدیت کا اظہار ہو، اسے اچھا قرار دیا گیا ہے، چنانچہ عبد اللہ، عبد الرحمٰن اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نام ہیں۔

والدین پر اولاد کے حقوق

اچھا نام رکھنا بھی حقوق اولاد میں سے ہے، جب بچہ پیدا ہو فوراً داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے کہ ظل شیطان وامّ الصبیان سے بچے گا، ہر بچہ کا نام رکھے، حدیث پاک میں ہے کہ کچے بچے (جو کم دنوں میں گر جائے) اس کا بھی نام رکھے، نام نہ رکھنے پر وہ بچہ اللہ عزوجل کے یہاں شاکی ہوگا، بُرا نام نہ رکھے کہ فال بد ہے، عبد اللہ، عبد الرحمٰن، احمد وغیرہ نام رکھے، انبیائے کرام یا اپنے بزرگوں میں جو نیک گزرے ہوں ان کے نام پر رکھے کہ باعث برکت ہے، خصوصاً وہ نام جو حضور پاک ﷺ کے پاک نام ہیں، اس مبارک نام کی بے پایاں برکت بچہ کی دنیا و اخرت میں کام آتی ہے۔

برے ناموں کو اچھے ناموں سے بدلنا

حضور ﷺ اچھے نام رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے، بلکہ نام میں اگر معنوں میں اچھائی نہ ہو یا اس میں شبہ ہو تو اسے بدل دیا کرتے تھے، حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کا نام ''بر'' تھا، جس کے معنیٰ نیکوکار ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نام اس لئے تبدیل فرما دیا کہ اس میں اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہے، اس کی وجہ سے نفس کہیں دھوکہ نہ دے دے، لہٰذا آپ کا نام زینب رکھا، اسی طرح ایک صحابی کا نام ''حزن'' تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نام اس لئے بدل دیا کہ اس کے معنیٰ سخت زمین کے ہوتے ہیں ''سہیل'' نام رکھ دیا، جس کے معنیٰ نرم ہونے کے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ اچھے نام سن کر خوش ہوتے تھے اور اس کے اثرات کے متمنی ہوتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر معاملہ الجھا ہوا تھا، قریش کی جانب سے ثالثی کے لئے سہیل آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کون ہیں، بتایا گیا کہ سہیل ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ہمارے معاملہ کو آسان کر دیا اور پھر انہیں کے ذریعہ صلح حدیبیہ کا تاریخ ساز معاہدہ وجود میں آیا جس کو رب تعالیٰ نے ''فتح مبین'' سے تعبیر کیا۔

حضور اکرم ﷺ نے اکثر و بیشتر صحابۂ اکرام رضی اللہ عنہ کے نام تبدیل فرمائے ہیں تاکہ نئے نام اور اسلام لانے سے ان کے کردار میں ناموں کے معانی کے لحاظ سے تبدیلی اور برکت شامل ہو جائے اور وہ سرتاپا اسلامی رنگ میں ڈھل جائیں اور نیکی کا مرقع بن جائیں، سیرت کی کتابوں میں بہت سے واقعات موجود ہیں، چند ملاحظہ فرمائیں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا نام اسود (کالا، گرد آلود، تاریک) سے بدل کر ابیض (سفید) رکھ دیا،

اس طرح ایک صحابی کا نام الجبار (جبر وظلم کرنے والا) سے بدل کر عبد الجبار (جبار کا بندہ) رکھ دیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عبد الکعبہ (کعبہ کا بندہ) سے تبدیل کر کے عبد اللہ رکھ دیا، مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام عبد الشمس سے بدل کر عبد الرحمن رکھ دیا، اس طرح آپ ﷺ نے عاصی، عتلہ، حکم، غراب، حباب کے نام تبدیل فرمائے اور احرام کو زرعہ، عاصیہ کو جمیلہ اور برہ کو زینب سے بدل دیا۔ [سنن ابوداؤد]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا جسے آپ ﷺ نے بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ [مسلم شریف]

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ صحیح اور درست نام نہ رکھنے سے بچے کی شخصیت پر اچھا اثر نہیں پڑتا، اس لئے نام ایسا رکھنا چاہئے کہ جب بچہ بڑا ہو تو اسے اپنے نام پر فخر محسوس ہو اور فخر اسی وقت محسوس ہوگا جب اس کا اچھا اسلامی نام رکھا جائے گا، اس ضمن میں ارشاد رسول کریم ﷺ ہے ”جس شخص کے تین بیٹے ہوں اور وہ ان میں سے کسی کا نام محمد نہ رکھے تو وہ بالیقین (ایمان وعشق) کے تقاضے سے جاہل ہے۔ [طبرانی شریف]

اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین ناموں سے اس شخص کا نام ہوگا جس کو شہنشاہ کہتے ہوں گے، اللہ کے نزدیک بہترین نام عبد اللہ اور عبد الرحمن اور زیادہ اچھے نام حارث اور ہمام احمد، محمد، جبکہ بدترین نام حرب اور مرہ ہن ہوں گے۔ [ابوداؤد]

حضرت شریح بن حانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد اپنی قوم کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے ان کا نام دریافت کیا، انہوں نے جواب میں عرض کیا کہ میرا نام ”ابوالحکم“ ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ”حکم خدا کے قبضہ واختیار میں ہے، تم نے ابوالحکم کنیت کیوں مقرر کی ہے“ انہوں نے کہا کہ میری قوم میں جب بھی کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو فریقین میرے پاس فیصلے کے لئے آتے ہیں اور میں ان کے درمیان ایسا فیصلہ کر دیتا ہوں کہ وہ تمام راضی ہو جاتے ہیں اور میرے حکم کو تسلیم کر لیتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”لوگوں کے درمیان فیصلہ اور حکم کرنا بہت اچھی بات ہے تمہارے کتنے بچے ہیں“ انہوں نے کہا کہ تین بیٹے، شریح، مسلم اور عبد اللہ، آپ ﷺ نے فرمایا بس آج سے تمہاری کنیت ابوشریح ہے۔ [نسائی]

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نام کی معنویت زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے، اچھی عرفیت، اچھے نام سے کردار وشخصیت پر اچھا اثر پڑتا ہے اور برے نام، بری عرفیت سے برا اثر ہوتا ہے، جیسا کہ ابوجہل (جہالت کا باپ) کی عرفیت نے اسے ساری زندگی حلقہ بگوش اسلام ہونے سے دور رکھا، حضور ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی تشریف لائے آپ ﷺ نے ان کا نام پوچھا تو بتایا گیا حزن یعنی پتھریلی زمین، آپ ﷺ نے یہ نام ناپسند فرمایا اور کہا کہ اپنا نام سہل یعنی نرم زمین رکھ لو، مگر انہوں نے نام تبدیل نہ کیا، کہا کہ یہ میرے باپ نے رکھا تھا، ان صحابی کے بقول ان کے خاندان میں سختی برابر قائم رہی، یہ نام کا اثر ہے۔ [بخاری]

حضور ﷺ نے مدینہ منورہ جسے ”یثرب“ کہتے تھے، اس کے معنی میں جبر و زیادتی اور الزام کا مفہوم پایا جاتا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا، آپ ﷺ نے تاکید کی کہ ”یثرب“ کو ”طیبہ“ خوشگوار عمدہ کہا جائے، مدینہ کے معنی شہر کے آئے ہیں، چونکہ یہ مدینۃ الرسول ﷺ ہے، اس لئے اس کا نام ہی مدینہ پڑ گیا، اب اگر بغیر کسی اضافت مدینہ کہا جائے تو اس سے مراد مدینۃ الرسول ﷺ طیبہ ہی ہوگا، مدینہ میں بخار کی وبا (بیماری) عام تھی، بڑی شدت کا بخار ہوتا تھا، اکثر آنے والے اس میں مبتلا ہو جاتے تھے، نو وارد اس کی زد میں آجاتے، جس کی وجہ سے وہ جلد ہی وہاں سے رخصت ہونا چاہتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ کی مشقتیں (تکلیفیں) جھیلنے پر جنت کی بشارت سنائی اور اس کا نام طیبہ رکھ دیا تو نام بدلنے کی برکت سے مدینہ منورہ کی فضا اللہ کے فضل وکرم سے خوشگوار ہو گئی، اللہ کے رسول ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کالی کلوٹی عورت مدینہ منورہ سے نکل کر جحفہ جہاں یہودیوں کی آبادی تھی کی طرف چلی گئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ وبا (بیماری جو ہوا کے خراب ہونے سے پھیلتی ہے یعنی FLU تھی جو یہاں سے

منتقل ہوگئی، اس لئے بہت سے علما مفسرین، شارحین نے یہ لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو اب ''یثرب'' کہنا صحیح نہیں ہے۔

نام رکھنے میں حد سے گزرنا غلو کرنا

اکثر یہ بات مشاہدے میں آتی ہے کہ جب کسی کے یہاں بچہ یا بچی پیدا ہوتی ہے تو سب سے پہلے جس مرحلے میں والدین کا سابقہ پڑتا ہے وہ بچہ یا بچی کا نام رکھنا ہوتا ہے جس کی روشنی میں بچہ سب کے لئے قابل محبت، قابل توجہ اور پرکشش بن سکے اور اس کے نام سے خاندان کی عزت ووقار بڑھے، خاندان بھر میں ہر فرد اپنی اپنی مرضی کا نام تجویز کرتا ہے لیکن جو نام تجویز ہوتا ہے، اس کے معانی پر غور نہیں کیا جاتا حالانکہ کسی بھی نام کے اثرات اس کے معانی کے اندر پوشیدہ ہوتے ہیں اور معنیٰ ہی شخصی کردار کی تشکیل میں اہم رول ادا کرتے ہیں، اسی طرح اس کے نام سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچہ یا بچی کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے؟ کس قوم سے تعلق رکھتا ہے اور یہ کہ اس کا نام شرعی اسلامی ہے یا نہیں اور یہ کہ یہ نام اس بچے کے لئے موزوں بھی ہے یا نہیں؟ اسی لئے مذہب اسلام نے معانی کے اعتبار سے اچھا نام رکھنے کا حکم دیا تاکہ بچے کی زندگی کی شروعات کی پہلی اینٹ درست طور پر رکھی جائے، نام رکھنے میں غلو کی حد تک یکساں اوزان کا خیال رکھا جاتا ہے یعنی سارے بچوں اور بچیوں کا نام ہم وزن ہو، حالانکہ ناموں کے سلسلے میں یہ التزام غیر ضروری ہے، کبھی کبھی اس کی پابندی بھونڈی معنویت پیدا کر دیتی ہے، ایک صاحب کے چند لڑکے ہیں، ایک کا نام شمیم ہے، دوسرے کا نام تسلیم ہے، تیسرے کا نام کریم ہے، چوتھا بچہ پیدا ہوا تو انہیں یہ سودا خبط سمایا کہ اس بچے کا نام قرآن پاک سے اسی وزن پر رکھیں گے، چنانچہ تلاش بسیار کے بعد انہیں سورۃ القلم میں ''زنیم'' لفظ مل گیا، انہوں نے بغیر معنیٰ پر غور کئے ہم وزن نام زنیم رکھ دیا، کچھ دنوں بعد ان کے یہاں ایک عالم دین مہمان ہوئے، انہوں نے میزبان کو اپنے لاڈلے بچے کو ''زنیم'' کہہ کر پکارتے ہوئے سنا، اس پر انہیں بڑا تعجب ہوا کہ باپ اپنے بیٹے کو خود ''زنیم'' کہہ رہا ہے، تعجب کی بات ہے، لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس بچے کا نام ہی زنیم ہے۔

چنانچہ عالم صاحب نے دریافت کیا کہ آخر آپ نے یہ نام کیوں رکھا ہے؟ انہوں نے بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا کہ اصل میں میں نے اپنے اس بچے کے نام کے متعلق یہ سوچا کہ اپنے دیگر بچوں کے ناموں پر ہموزن ایک ہی طرح کا نام ہو اور تمنا یہ بھی تھی کہ وہ نام قرآن پاک سے ہو، بہت تلاش کے بعد یہ نام سورۃ القلم میں مجھے مل گیا اور میں نے یہ نام رکھ دیا، مہمان عالم نے کہا ابلیس، ابولہب اور فرعون بھی تو قرآن میں ہیں، کیا یہ نام کوئی رکھنا پسند کرے گا، بالآخر جب قرآن میں اس کا معنیٰ دیکھا گیا تو ''زنیم'' کا معنیٰ ''حرام زادے'' کا ملا، مہمان عالم نے کہا کہ کیا کوئی یہ سننا پسند بھی کر سکتا ہے، میزبان کو بڑی پشیمانی ہوئی اور اس بچے کا نام بدل دیا گیا، نثار اشرف نام رکھا گیا، آج کل نام رکھنے میں ہم سے غلطیاں ہو رہی ہیں، جس سے ہماری تہذیب متاثر ہو رہی ہے، اس سے ہمیں بچنا چاہئے۔

نام بگاڑنا گناہ ہے

بچوں کے حقوق میں سے یہ ہے کہ ان کا نام اچھا رکھا جائے اور اچھے نام کو بلاتے وقت بھی ملحوظ رکھا جائے، اسی طرح نام بگاڑنا بھی گناہ کی بات ہے، قرآن پاک میں اسے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ کہا گیا ہے، لہذا کسی کے نام کو بگاڑ کر نہیں پکارنا چاہئے، اس میں خود گھر والوں کی طرف سے کوتاہی ہوتی ہے، وہ پیار میں مخفف (Short) کرتے ہیں اور پھر وہی نام بن جاتا ہے، اس سے پرہیز لازم ہے، حضور ﷺ نے ایک صحابی کا نام پوچھا صحابی نے کہا ''اصرم'' جس کے معنیٰ کانٹے کے آتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تمہارا نام اصرم نہیں بلکہ ''زرعہ'' ہوگا، جس کے معنیٰ کھیتی اور جود وسخا کے ہوتے ہیں، بعد میں وہ صحابی اس نام سے معروف ہوئے، لہذا ہمیں اچھے ناموں کا التزام کرنا چاہئے، مذہب اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کی اولاد نیک اور مسلمان ہوں، بچوں کی پرورش بہتر طریقے سے کی جائے اور اولاد جو نعمت الٰہیہ ہے اس کی قدر کی جائے تاکہ وہ بڑا ہو کر ملک وسماج اور خود والدین کے لئے نعمت بقیہ ص ۱۳ ر پر

معاشیات

۱۹۱۲ء میں اسلامی معیشت کا ہمہ گیر منصوبہ

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

بیسویں صدی کا ابتدائی دور مختلف تحریکات ونظریات کا دور تھا، سیاسی سطح پر وجود میں آنے والی تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت نے ہندوستانی مسلمانوں کو معاشی واقتصادی طور پر کمزور کر کے رکھ دیا تھا، اس سے پیش تر سلطنت مغلیہ کا زوال معمولی زخم نہ تھا، ان حالات نے مسلمانوں کو ابتلا وآزمائش سے دوچار کیا۔

۱۹۱۲ء/۱۳۳۱ھ میں ہندوستان کے ایک اسلامی مفکر نے مسلمانوں کی معاشی واقتصادی قوت کو سنبھالا دینے کے لیے ہمہ گیر نظریات ومنصوبے پیش کیے، ان سطور میں ہمیں انھیں کے متاثر کن نظریات پر اجمالی گفتگو مقصود ہے، بہ شکل نکات ان کی جھلک کچھ اس طرح ہے:

(۱) ان امور کے علاوہ جن میں حکومت دخل انداز ہے مسلمان اپنے معاملات باہم فیصل کریں تا کہ مقدمہ بازی میں جو کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں پس انداز ہوسکیں۔

(۲) مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں۔

(۳) بمبئی، کلکتہ، مدراس، رنگون، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بینک کھولیں۔

(۴) علم دین کی ترویج واشاعت کریں۔

ان کلمات دانش کے تجزیے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کے معاشی حالات پر کچھ روشنی ڈال لی جائے، معاشی و اقتصادی علوم کا مطالعہ پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۹–۳۰ء میں رونما ہونے والی عالمی کساد بازاری کے نتیجے میں اہمیت کا حامل بنا، اس لحاظ سے جدید اقتصادی نظریہ کی ابتدا ۱۹۳۰ء میں ہوئی، ۱۹۳۶ء میں مغربی ماہر اقتصادیات جے. ایم. کینز (J.M.Keynes) نے ''نظریۂ روزگار آمدنی'' (بچت = سرمایہ کاری) پیش کیا، جس نے عالمی نظام معیشت پر اپنے گہرے اثرات مرتب کیے جس پر اسے برطانوی حکومت نے ''لارڈ'' کا خطاب عطا کیا، اس رو سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۹۱۲ء میں ترقی یافتہ ممالک بھی علم معاشیات کی اہمیت کو واضح نہیں کر سکے تھے، شاید ان پر بھی اس علم کی افادیت نہیں کھل سکی تھی۔

جب کہ ایک اسلامی مفکر نے مسلمانوں کی فکروں کو مہمیز دیا تھا اور سرمائے کو پس انداز کرنے کی ترغیب دی تھی، نیز اس دور میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد زمین دار تھی اور ان کی املاک کثیر، لہٰذا ان مسلم رؤسا وامرا میں باہمی انتشار کے نتیجے میں مقدمہ بازی کا رجحان زیادہ پایا جاتا تھا، اس طرح مسلمانوں کی املاک دوطرفہ مقدموں کی نذر ہو کر تباہ و برباد ہو رہی تھی، اس اسلامی مفکر نے آپسی معاملات کو افہام وتفہیم سے حل کرنے کی فکر دے کر سرمائے کے تحفظ کی سمت رہ نمائی کی، اس نے آپسی تنازعات کی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

> ''اول پر یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلے میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی ہو تو منظور نہیں اور کچہری جا کر اگرچہ گھر کی بھی جائے ٹھنڈے دل سے پسند، گرہ گرہ بھر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں، کیا آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں؟''

۱۹۳۰ء کے بعد جب مملکتوں نے اقتصادیات کی اہمیت وافادیت کو جان لیا تو سرمائے کی بچت پر زور دیا اور پس انداز کے تین درجے متعین کیے:

(۱) اندرون ملک بچت کے ذریعے سرمایا اکٹھا کرنا۔

(۲) دوسرے ترقی یافتہ ملکوں سے قرض لینا۔

* مضمون نگار ایک متحرک اہل قلم اور نوری مشن مالیگاؤں مہاراشٹرا کے رکن ہیں۔

(۳) کرنسی کی پیداوار بڑھانا، آخر الذکر طریقہ خطرناک ہے جس سے معاشی تباہی کا اندیشہ ہے اس لیے بہتر طریقہ پس انداز یعنی سرمائے کی بچت ہے، افراط زر سے ہمارا ملک ہندوستان دو چار ہے، اس پر ۲۰۰۸ء کے اقتصادی منصوبے میں قابو پانے کے لیے ترجیحی منصوبے بنائے بھی گئے اور آج اس پر بڑی حد تک قابو پایا جا چکا ہے، گرچہ قطعی نہیں لیکن ۲۰۰۸ء کے مقابلے میں غنیمت ہے۔

اسلامی مفکر کے نظریے پر ۱۹۱۲ء میں عمل درآمد کی کوئی صورت نکل آتی تو آج مسلمان معاشی ترقی میں بجائے پستی کے ترقی یافتہ ممالک سے دو دہائی آگے ہوتے اس طرح عالمی سطح پر کم زور اسلامی ممالک معاشی خوش حالی کے نتیجے میں نا قابل تسخیر قوت ثابت ہوتے، بنیادی ضروریات سے فراغ کے بعد اپنی دفاعی قوت کو سنوارتے اور اس کے سہارے تباہی و بربادی سے بچ جاتے اور آج مسلم ممالک کی تنظیم مستحکم ہوتی، UNO کی طرح اس کی بھی طاقت تسلیم کی جاتی۔

اس مفکر کا دوسرا نکتہ تھا:

''اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہتا، اپنی حرفت وصنعت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے۔''

اسلام نے صنعت وتجارت کو حلال قرار دیا ہے نیز اس میں برکت بھی رکھی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی رضا مندی کا ہو'' [سورۃ النساء، ۲۹]

آج جس طرح سے اسلام کے خلاف مغربی قوتیں سرگرم عمل ہیں اس سے مسلمان اضطراب کے شکار ہیں اور نوبت یہ آتی ہے کہ ان کی پیداوار (مغربی اشیا) کا غیر موثر بائیکاٹ کیا جاتا ہے، اگر مفکر اسلام کے ۱۹۱۲ء کے منصوبے پر عمل ہو جاتا اور مسلمان آپس میں خرید و فروخت کر رہے ہوتے تو اس طرح کے بائیکاٹ کی نوبت بھی نہ آتی جب کہ بائیکاٹ صرف زبانی ہی ہوتا ہے اور عمل صفر، مفکر اسلام نے ایک صدی پیشتر اسے محسوس کیا تھا اور کہا تھا:

''اول تو یہ بھی کہنے ہی کے الفاظ ہیں، نہ اس پر اتفاق کریں گے نہ ہرگز اس کو نباہیں گے اس عہد کو پہلے توڑنے والے جنٹل مین حضرات ہی ہوں گے جن کی گزر بغیر یورپین اشیا کے نہیں۔''

مفکر اسلام نے ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کو آپس میں تجارت اور لین دین کی ترغیب دی تھی، ۱۹۲۹ء کے بعد جب کہ جرمنی اور اٹلی معاشی لحاظ سے تباہ ہو چکے تھے یورپین منڈی کی تشکیل ہوئی جو اس طرز کی تھی کہ وہ آپس میں ہی سرمایہ کاری کرتے، خرید و فروخت کرتے اور تجارت کو فروغ دیتے اور اس طریقے سے بہت جلد وہ ایک اقتصادی قوت بن گئے جس سے ان کی کرنسی کا وزن و وقار بھی بڑھا اور آج ان کی کرنسی عالمی اہمیت کی حامل اور تجارت پر اثر انداز ہے، مفکر اسلام نے آپسی تجارت سے متعلق دو مثالیں دی تھیں:

''(۱) اہل یورپ کو دیکھا ہے کہ دیسی مال اگرچہ ولایتی کی مثل اور اس سے ارزاں بھی ہو ہرگز نہ لیں گے اور ولایتی گراں خرید لیں گے۔ (۲) ہندو تجارت کے اصول جانتا ہے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھے اتنا ہی زیادہ ملتا ہے اور مسلمان صاحب چاہتے ہیں کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے وصول کر لیں۔''

نصاریٰ اور مشرک تو اپنی تجارت کے فروغ کے لیے کوئی موقع فروگذاشت نہیں ہونے دیتے لیکن ہمارے اپنے لاپرواہی کا شکار ہو کر معاشی تنزلی کی راہ جا پڑے، جب کہ اسلام نے حصول معاش اور تجارت کو بھی خیر کے زمرے میں رکھا اور ثواب کی بشارت دی، مذکورہ نکتہ مسلمانوں کی صنعتوں اور فیکٹریوں کے قیام سے متعلق کس قدر اہمیت کا حامل ہے یہ بات مخفی نہیں، معاشی ترقیات نے دنیا کو عالمی منڈی میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے، گلوب لائزیشن کا تصور اسی کی صراحت ووضاحت ہے لیکن اس ضمن میں مسلمانوں کی معاشی پیداوار کا تناسب کتنا ہے؟ یہ ایک المیہ ہے، مفکر اسلام کے منصوبے پر اگر مسلمان کان دھر لیتے تو بر صغیر کی حالت مختلف ہوتی، اسلامی مفکر نے تیسرا نکتہ دیا:

''بمبئی، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کے لیے بینک کھولتے، سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں۔''

یہ امر مخفی نہیں کہ موجودہ بینکنگ کے نظام کی بنیاد سود مرکب Compound Intrest System پر ہے، اقتصادی منصوبے کے لیے سرمایہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور سرمائے کے نظام کو چلانے کے لیے بینک کی حیثیت مرکزی ہے، اسلامی مفکر نے بلا سودی بینکنگ کا تصور ۱۹۱۲ء میں دیا جبکہ ہندوستان میں چند بینک قائم تھے اور وہ بھی انگریزوں کے اور بینک کی اہمیت بھی کچھ ظاہر وواضح نہیں ہوسکی تھی، اس مفکر نے کرنسی سے متعلق ایک کتاب بھی لکھی بہ نام ''كفل الفقيه الفاهم فی احكام قرطاس الدراهم'' اس میں بلا سودی بینکنگ سسٹم پر بڑی جامع اور نتیجہ خیز تجاویز دی ہیں، یہ کتاب علمائے حرمین مقدس کے ایک سوال کے جواب میں تصنیف فرمائی جو عربی اور اردو میں ہندو پاک کے علاوہ دار الکتب العلمیہ بیروت سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

حرام سے بچنے کی تعلیم قرآن مقدس نے دی ہے اور سود کو حرام قرار دیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے لوگو کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

[سورۃ البقرۃ ۱۶۸، ترجمہ: کنز الایمان]

ایک اور مقام پر قرآن مقدس میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور اللہ نے حلال کیا بیع اور حرام کیا سود۔'' [سورۃ البقرۃ ۲۷۵]

مفکر اسلام نے ۱۹۱۲ء میں بلا سودی بینکنگ کا تصور دیا جبکہ ۱۹۴۰ء تک کوئی مسلم بینک قائم نہیں ہوسکا تھا، ۱۹۱۲ء میں مسلمان بیدار ہو لیتے تو آج عالمی بینکنگ سسٹم پر مسلمانوں کا کنٹرول ہوتا۔

یہ بات بھی لائق غور ہے کہ سرمائے کے تحفظ کے لیے اسراف سے بچنا ضروری ہے، موجودہ دور میں مسلمان کس حد تک اس میں مبتلا ہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں، مفکر اسلام نے اسراف کی شدت کے ساتھ مذمت کی، آپ قبر پر چراغ واگربتی روشن کرنے سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''اور قریب قبر سلگانا اگر وہاں نہ کچھ لوگ بیٹھے ہوں نہ کوئی تالی (تلاوت کرنے والا) یا ذاکر (ذکر کرنے والا) ہو بلکہ صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ اسراف واضاعت مال ہے۔''

واضح رہے کہ مزارات اولیا سے قریب خوشبو کے لیے اور زائرین کو سہولت فراہم کرنے کی غرض سے جلانا الگ بات ہے اور یہ اسراف کے درجے میں نہیں۔

غرض کہ اس مفکر اسلام نے قوم کو بیدار کرنے کی انتھک کوشش کی، اس نے قوم کو ایمان کے لٹیروں سے باخبر کیا، دشمنوں کی سازشوں سے متنبہ کیا، اس نے ایک شعر میں بیداری کا فلسفہ بیان کر دیا۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

اس کے افکار کا چوتھا نکتہ ''علم دین کی ترویج واشاعت'' سے متعلق ہے، وہ ایک ماہر تعلیم تھا، وہ ۷۰ رکے لگ بھگ علوم وفنون میں مہارت رکھتا تھا، اس نے صالح اور سرگرم علما اور مدبرین کی ایک پوری ٹیم تیار کی جس نے قوم کی اسلامی تعلیم و تربیت کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اس نے اسلامی نظام تعلیم کا احیا کیا جب کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے نتیجے میں اسلامی مدارس مفلوک الحال ہو چکے تھے اور متحدہ ہندوستان میں یہود ونصاریٰ کے اشتراک سے جدید تعلیم کا ایسا نظام مرتب ہو چکا تھا جس میں دین سے دوری کا پیغام مضمر تھا، مغربی نظام تعلیم کو مغربی تہذیب وتمدن کے فروغ کے لیے نافذ کیا جارہا تھا، اس نے علم وفن کے ہر شعبے میں رہ نمائی کی، سائنس وفلسفہ، ریاضی وہندسہ، تاریخ وجغرافیہ، معاشیات واقتصادیات وغیرہ، ہر علم وفن کو دین کی بنیادوں پر برتا۔

اس کی تعلیمی بصیرت اور نظریات پر یونیورسٹیوں اور کالجوں

نیز جامعات میں تعلیم کی مناسبت سے ماسٹر درجہ (.M.Ed) کے ۱۸ر مقالے (Thesis) لکھے جا چکے ہیں، اس کی دینی خدمات کے دوسرے موضوعات پر عالمی سطح پر یونیورسٹیوں میں 28 سے زیادہ ڈاکٹریٹ (.Ph.D) کے مقالے اور درجن بھر ایم. فل (.M.Fil) کے مقالے لکھے جا چکے ہیں، لیکن مرحلۂ شوق ہنوز طے ہونا باقی ہے اور مزید جلوے آشکار ہوا چاہتے ہیں۔

وہ علم وفن کا بحر بیکراں تھا، وہ عرب میں بھی مقبول ومشہور تھا، علمائے حرمین نے اسے قسم قسم کے القاب وآداب سے نوازا، اسے ''امام المحدثین'' کہا، ''مفسر شہیر'' کہا، ''برکۃ الزمان'' کہا، اپنا پیشوا ومقتدا جانا، اس کی نگاہ اپنے زمانے سے آگے دیکھا کرتی تھی، اس کی بصیرت کو دانائے مشرق اقبال نے بھی خراج عقیدت پیش کیا، اس کی ریاضی میں مہارت کے جلوے دیکھ لینے کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے کہا کہ ''یہ ہستی صحیح معنوں میں نوبل پرائز کی مستحق ہے۔''

اس کی مطبوعات وتحریرات نے ایک انقلاب برپا کر دیا، وہ سنتوں کا داعی تھا، وہ محافظ اسلام تھا، مجاہد اسلام تھا، پاسبان اسلام تھا اور مفکر اسلام تھا، اس کی تصانیف کی اشاعت کئی سمتوں میں ہوتی تھی، بریلی، پٹنہ، رام پور، ممبئی، آگرہ، سیتا پور، کلکتہ اور لاہور کے اشاعتی ادارے اس کی کتابیں بڑے چاؤ سے شائع کرتے تھے، اس کا ہمہ گیر اقتصادی منصوبہ ''تدبیر فلاح ونجات و اصلاح'' کے نام سے شائع ہوا اور افکار کے لیے مہمیز کا سبب بنا، اس کو مصلح قوم وملت مولانا لعل محمد خاں مدراسی (کلکتہ) کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا، اس پر آج بھی عمل کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ ایک صدی قبل تھی، وہ سحبان الہند بھی ہے، حسان الہند بھی ہے، امام الہند بھی ہے اور شیخ الہند بھی، اگر ہندوستان اس پر فخر کرے تو بجا ہے، وہ فخر اسلام بھی ہے، اس نے مسلمانوں کے وقار کو بلند کیا، وہ مرد مومن تھا اور ایسا کہ بقول ڈاکٹر اقبال ؎

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

وہ محبت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سرشار تھا اور اسی محبت کو اس نے عام کیا، اس نسبت سے اس کا نام ''محمد'' تھا، تاریخی نام ''المختار'' تھا لیکن وہ خود کو ''عبد المصطفیٰ'' لکھتا اور کہا کرتا تھا اور دنیا اسے ''اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے جانتی مانتی اور پہچانتی ہے، مفکر اسلام امام احمد رضا محدث بریلوی کی ولادت ۱۰ر شوال ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کو ہوئی اور وصال ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء کو، آپ کی دینی و علمی خدمات اور افکار کی اشاعت عہد کی ضرورت ہے اور ایک علمی خدمت بھی۔

■■■

ص ۷۴ر کا بقیہ ....

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

حضرت مجدد الف ثانی نے اسلامیان ہند کی رشد وہدایت کے لیے سلاسل طریقت چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ کو رواج دیا اور سلسلہ نقشبندیہ تو بعد میں آپ کی نسبت سے ''نقشبندیہ مجددیہ'' کے نام سے معروف ہوا، آج دنیا کے ہر خطے میں اس سلسلے کے فیض یافتہ حضرات پائے جاتے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی اپنی اصلاحی کوششوں کے دوران ایک سال (۱۰۲۷ھ/۱۰۲۸ھ) قلعہ گوالیار میں نظر بند بھی رہے، جبکہ دورِ پابندی پانچ سال اور دورِ زباں بندی چھے ماہ پر محیط گزرا، آخری ایام میں آپ اپنی خانقاہ سر ہند میں خلوت گزیں ہو گئے اور اسی خلوت گزینی کی حالت میں ۲۹ر صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو وصال فرمایا، سر ہند شریف میں آج بھی آپ کا مرقد انور مرجع خاص وعام ہے، آپ کی زرّیں تعلیمات روئے اسلام کا سنگھار اور راہ سلوک ومعرفت کے لئے مثل قندیل نورانی ہیں، اللہ رب العزت ہم سنیوں کو ان کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے، آمین۔

■■■

از: مشتاق احمد اویسی امجدی*

زوال مسلم کے اسباب کیا ہیں؟

حالیہ دنوں میں مسلمانانِ عالم جن حالات سے دوچار ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں، کہیں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے تو کہیں ان کا گھر بار نذر آتش کیا جارہا ہے، کہیں ان کے جذبات کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے تو کہیں ان کی حق تلفی کی بے جا سعی کی جارہی ہے، کہیں شریعت مطہرہ میں تبدیلی کی آواز بلند ہورہی ہے تو کہیں شعار اسلام کو مٹانے اور بے اصل ہونے کی بات کہی جاتی ہے غرض کہ ہر طرح مسلمانانِ عالم دن بدن مغلوب ہوتے جارہے ہیں، ذلت وخواری کے قعر عمیق میں دفن ہوتے دکھائی دے رہے ہیں اور باطل قوموں کے سامنے دبے کچلے نظر آتے ہیں ورنہ یہی وہ قوم تھی جس کی شان و شوکت کا ڈنکا چہار دانگ عالم میں بجتا تھا، جن کا غلبہ ہر طرف نظر آتا تھا، یہی وہ قوم تھی جس نے بڑے بڑے طوفانوں کا رخ موڑا تھا اور بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑائے تھے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا ۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑادیئے گھوڑے ہم نے

مذکورہ تناظر میں آج کا سب سے بڑا اور اہم سوال یہ ہے کہ ترقی پذیر قوم مسلم کے زوال کا سبب کیا ہے؟ آخر اتنا بڑا فرق کیوں؟ ہم جب مسلمانوں کے حالات، ان کے چال ڈھال، رہن سہن، نشیب وفراز، معیشت ومعاملات پر غور وفکر کرتے ہیں تو اس زوال کا جو سبب حقیقی معلوم ہوتا ہے، وہ ہے اللہ کے حکم سے روگردانی اور اسوۂ رسول سے اعراض کر کے مغربی تہذیب و تمدن کو اپنانا، جب تک قوم مسلم صحیح معنوں میں اللہ کے احکام پر عامل رہی، اس کے حدود کی حفاظت کرتی رہی اور مصطفےٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریق زندگی کے مطابق زندگی گزارتی رہی، اللہ رب العزت نے ان کی حفاظت کی، ان کو غلبہ عطا فرمایا، باطل قوموں کی نظروں میں ان کا رعب بٹھادیا، یہی وجہ تھی جس طرف وہ رخ کرتے تھے فتح ونصرت ان کے قدم چوم لیتی تھی، کفار ناہنجار ان سے لرزتے تھے، آپ تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں سب سے پہلی جنگ، جنگ بدر لڑی گئی، جسے تاریخی صفحات میں ''غزوۂ بدر'' کہا جاتا ہے یہ جنگ اس وقت لڑی گئی، جب مسلمانوں کے پاس نہ اپنی ظاہری طاقت تھی نہ ہی مادی قوت بلکہ ہر اعتبار سے مسلمان کمزور تھے تعداد میں صرف تین سو تیرہ جبکہ مقابل میں دشمن نو سو پچاس تھے، مسلمانوں کے پاس سواری کے لیے فقط ستر اونٹ اور دو گھوڑے اور ہتھیار میں چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں جبکہ دشمنوں کے پاس سو گھوڑے، سات سو اونٹ اور بکثرت زرہیں اور دیگر ہتھیار تھے مگر جب معرکہ آرائی شروع ہوئی، تلواریں چمکیں تو کفار لرزہ براندام ہونے لگے لاشوں کی لاشیں واصل جہنم ہوئیں، مسلمانوں کی داد شجاعت سے کافروں کا کلیجہ دہلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اللہ نے مٹھی بھر اور نہتھے سرفروش فرزندان اسلام کو کامیابی وکامرانی سے ہمکنار فرمادیا، قرآن مقدس میں اس کا تذکرہ یوں ملتا ہے: اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ [سورۂ آل عمران ۱۲۳]

قارئین کرام! میں دعوت فکر دینا چاہتا ہوں کہ کفار مادی طاقت وقوت میں ہر لحاظ سے مسلمانوں سے قوی تر تھے جس کا تقاضا تو تھا کہ مسلمان کچل دیئے جاتے، ان کا نام ونشان مٹا دیا جاتا، انہیں صفحۂ ہستی سے ختم کردیا جاتا مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا بلکہ

*مضمون نگار امام احمد رضا لرننگ اینڈ ریسرچ سینٹر، ناسک کے استاذ ہیں۔

اس کے برخلاف کفار ہزیمت کے شکار ہوئے آخر وہ کون سی طاقت کار فرما تھی جو مسلمانوں کی پشت پناہی کر رہی تھی اور مسلمانوں کی طرف سے کفار سے نبرد آزما تھی، یقیناً آپ کا یہی جواب ہوگا کہ وہ تعداد میں ضرور کم تھے، نہتھے، بھوکے پیاسے اور کمزور تھے مگر احکام خدا پر کاربند تھے حدود اللہ کے محافظ تھے، اپنے سینوں میں ایمانی حرارت اور رسول کی سچی محبت رکھتے تھے جس کی وجہ سے اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی اور یہ نسخۂ کامیابی صرف ان حق پرستوں کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ آج اور کل صبح قیامت تک کے جملہ فرزندان توحید کے لیے قرآن نے ضابطہ دے دیا اگر کامیاب ہونا چاہتے ہو، عزت وعظمت کے روشن مینار بننا چاہتے ہو تو ایمان کامل کی دولت اپنے دامن میں سمیٹ لو پھر کامیاب تم ہی رہو گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔ [آل عمران ۱۳۹]

شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

کامل الایمان بندوں کی حکومت نہ صرف نوع بنی آدم پر ہوتی ہے بلکہ ان کی حکومت اللہ کی جمیع مخلوقات پر ہوا کرتی ہے، تاریخ اسلام کا ایک زریں باب امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت طیبہ ہے، آپ کی سیرت پاک مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے عہد پاک میں جب مصر فتح ہوا تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس وہاں کے لوگوں نے آ کر عرض کیا کہ اے امیر ہمارے اس دریائے نیل کی ایک عادت ہے جس کے بغیر یہ جاری نہیں ہوتا، آپ نے فرمایا وہ کیا؟ وہ کہنے لگے کہ جب ماہ حال کی گیارہ راتیں گزر جاتی ہیں تو وہ ایک کنواری اور اکلوتی لڑکی کو اس کے والدین کی رضامندی سے لے لیتے ہیں اور اسے نہایت ہی نفیس اور عمدہ کپڑے اور زیور پہنا کر دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ بات اسلام میں کبھی نہیں ہوگی کیوں کہ اسلام جاہلیت کی رسوم بد کو مٹاتا ہے، لوگ یہ بات سن کر اس بات سے باز رہے مگر نیل کا پانی بہت کم ہو گیا اور لوگوں نے اس رسم کو پورا کرنے کا ارادہ کیا، جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے یہ بات دیکھی تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس تمام قصے کو ایک خط میں لکھ کر روانہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب لکھا کہ آپ نے بہت خوب کیا جو اس رسم قبیح سے انہیں روک دیا، اسلام بے شک جاہلیت کی رسوم کو مٹاتا ہے، میں نے اپنے خط میں ایک رقعہ لکھا ہے، اسے نیل میں ڈال دینا، جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس وہ خط پہنچا تو انہوں نے اس چھوٹے سے خط کو جو اس میں تھا، کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ یہ خط خدا تعالیٰ کے بندے عمر امیر المومنین جانب سے نیل مصر کی طرف ہے، امابعد: اے نیل! اگر اس سے پہلے خود جاری تھا تو اب جاری نہ ہو اور اگر اس سے پہلے تو خدا کے حکم سے جاری تھا تو اب میں خدائے قہار سے سوال کرتا ہوں کہ تمہیں جاری کرے، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس خط کو طلوع صلیب سے ایک دن پیشتر نیل میں ڈال دیا جب صبح ہوئی تو دیکھا ایک ہی رات میں نیل سولہ سولہ گز چڑھ آیا ہے اس دن سے وہ بری رسم مصر سے جاتی رہی۔ [تاریخ الخلفاء مترجم، ص ۱۵۵]

آپ اندازہ کریں کہ یہ کیسے اللہ کے بندے تھے کہ ایک حکم ہوتا ہے تو پانی بھی سرنیاز خم کر دیتا ہے بات دراصل یہ ہے کہ ان بندوں نے رب کے آگے اپنا ماتھا ٹیکا تو اللہ نے ساری خدائی کو ان کے تابع فرمان کر دیا، یہ درحقیقت "من کان للہ کان اللہ لہ" کی عملی تصویر ہے۔

بلبل شیراز حضرت شیخ سعدی شیرازی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: میں نے جنگل میں ایک آدمی کو دیکھا جو شیر پر سوار تھا میں حیران رہ گیا کہ یہ شخص شیر پر کس طرح سوار ہوا اور شیر اس کا مطیع وفرمابردار کیسے ہو گیا؟ حضرت سعدی فرماتے ہیں اس آدمی نے میری طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ پیچد نہ گردن ز حکم تو ہیچ

یعنی تو اللہ کے حکم سے منہ نہ موڑے تو تیرے حکم سے کوئی

چیز بھی منہ نہ موڑے گی۔

آج قوم مسلم احکام خداوندی سے منہ موڑ کر شیطان کی فرماں برداری، نفس کی پیروی اور دنیا کی رنگینی میں ایسی منہمک ہو گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی مقصود زندگی اور منزل آخری ہے، ہماری غفلتوں کو قلمبند کرتے ہوئے امام اہل سنت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

دن لہو میں کھونا تجھے، شب صبح تک سونا تجھے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
رزق خدا کھایا کیا فرمان حق ٹالا کیا
شکر کرم ترس سزا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

حالانکہ یہ انسان کی بہت بڑی غفلت اور انتہائی بھول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دار آزمائش اور دار عمل بنایا ہے، ایک مقررہ وقت تک ہمیں اس میں آزمائش سے گزر کر حیات مستعار کی تکمیل کر کے دار آخرت کی طرف کوچ کرنا ہے، اصل زندگی تو اخروی زندگی ہی ہے، جب تک اللہ کے بندے اس دنیا سے ترک تعلق کر کے اخروی زندگی نکھارنے کے لیے رب تعالیٰ کی بندگی کرتے رہے اللہ نے انہیں روز افزوں ترقی اور بلندی عطا فرمائی، کائنات عالم کی ہر چیز اس کے تابع فرمان رہی، وہ اللہ کی ہر نعمت سے مستفید ہوتے رہے مگر جب سے لوگوں کے دلوں سے رب کی بندگی کا شوق اور یاد حق کا ذوق رخصت ہو گیا، اس کے احکام سے بے نیازی برتی گئی تو عزت وعظمت، غلبہ وشوکت، کامیابی وکامرانی، ترقی وسربلندی غرض ہر چیز ان سے روٹھ گئی اور ہر قسم کی برائی ماں باپ کی نافرمانی، اولاد کی حق تلفی، سود خوری، شراب نوشی، قمار بازی، چغلی وبدعہدی، جھوٹ و بہتان ترازی اور زنا جیسی موجب لعنت اشیا ہم میں زور پکڑنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلمان ان رذیل حرکتوں کا رسیا بن گیا، نتیجۃً مسلمانوں کی وقعت رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئی پھر عذاب الٰہی کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا کبھی زلزلہ تو کبھی ناگہانی آفات و بلیات کا ورود، کبھی سیلاب کا قہر تو کبھی خشک سالی کا زور، کبھی قتل عام تو کبھی بنیادی حقوق کی پامالی۔

مسلمانو! خدارا اپنے حال زار پر رحم کھاؤ، اپنے کئے پر ندامت کے آنسو بہاؤ اور آئندہ ان خسیس افعال کے ارتکاب سے باز رہنے کا عزم مصمم کرو، یاد رکھو ابھی بھی وقت ہے تم اپنی کھوئی ہوئی عظمت وشوکت پا سکتے ہو، اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہو مگر شرط ہے اللہ کی بندگی کرو، خدا کے واسطے، خدا کو مت بھولو، اس کے احکام سے بے نیازی نہ برتو، اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے اعراض نہ کرو، ان کی غلامی ہی ہماری کامیابی کی ضامن ہے اور ان سے روگردانی ہماری ذلت وخواری اور زوال کا حقیقی سبب ہے۔

ان کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے
ان سے پھرے، جہاں پھرا آئی کمی وقار میں

ص ۵۳ / کا بقیہ ......

قادری برکاتی قدس سرہ نے اغیار کے ناپاک عزائم کو بھانپ لیا تھا، آپ نے مسلمانوں کے حال کو ماضی سے جوڑنے کی بہت کوششیں کیں، اس سلسلے میں آپ کی تالیفات وتصنیفات دیکھی جا سکتی ہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے جس تحریک کی بنیاد رکھی تھی، علم وعرفان اور شعور وآگہی کا جو چراغ روشن کیا تھا اسی چراغ کی لو کو تیز کرنے کے لیے آپ نے بعد وصال حضور مجاہد ملت کا انتخاب فرمایا تھا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے زمانے میں علما، مشائخ اور مذہبی رہنماؤں کی کمی نہیں تھی لیکن دین کے نام پر متاعِ کائنات لٹا دینے کا جو جذبہ حضور مجاہد ملت میں تھا وہ دوسروں میں نہ تھا، حضور مجاہد ملت نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے انتخاب کو کبھی داغدار ہونے نہیں دیا، آپ نے نائب اعلیٰ حضرت کی حیثیت سے پورے عرب وعجم میں یہ کہتے ہوئے پیغام رضا، فکر رضا اور مسلک رضا کی دھوم مچا دی کہ ؎

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ میرے دھوم مچانے والے

■■■



اسلاف و اخلاف

سرکار غوث اعظم کا دعوتی اسلوب

اسلام دعوت و اصلاح کا پیامبر ہے جس کی بنیاد حکمت اور خوش اسلوب موعظت پر رکھی گئی، آقائے دو جہاں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حکیمانہ تفہیم اور دلکش اخلاق سے دلوں کی دنیا فتح کی اور ان میں ایمان کے جگمگاتے آفتاب روشن کئے، آپ نے اس جہان رنگ و بو کی ظاہری محفل کو الوداع کہا تو کفر کی تاریکیوں کے پر وبال پھر نکل آئے، ارتداد کا ایک سلسلہ چل نکلا لیکن آپ کے جانشین اکبر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پامردی اور استقامت کے جذبوں سے لبریز مساعی جمیلہ نے اسلام کو سنبھالا دیا اور پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اسلام کی نورانی شعاعیں بحر و بر کی وسعتوں میں پھیل گئیں۔

حضرت عثمان غنی اور سیدنا مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا دور خلافت شورشوں اور فتنہ سامانیوں کی نذر رہا، جس کا نقطۂ اخیر بد بخت یزید کی ازلی شقاوتوں اور ۶۱ھ میں دنیا کے المناک ترین سانحۂ کربلا کی شکل میں نمودار ہوا، خلافت کے بعد امارت نے رنگ جمایا، اموی اور عباسی دور حکومت اسلامی تاریخ میں روشن اور تاریک دونوں قسم کے نقوش رکھتا ہے، اس دور کی روشنی تو یہ ہے کہ اسلامی حکومت میں تقریباً اسی ممالک شامل ہو چکے تھے اور علوم و فنون کی تدوین نے حضرت مولائے کائنات کے دور میں جو سنگ بنیاد رکھا تھا، وہ اب خوبصورت عمارت کی شکل میں تبدیل ہو چکا تھا، حدیث و تفسیر، نحو و صرف، بلاغت و ادب، فقہ اور اصول کے بنیادی مصادر اسی دور کی شاندار یادگار ہیں، وسائل حیات کی فراوانی اور مادیت کی بڑھتی قدروں نے انسانوں کو خوش عیش اور پر تکلف بنا دیا تھا لیکن ان پھولوں کے گرد کئی بڑے نوکیلے اور چبھتے کانٹے بھی تھے جن کی ٹیس آج بھی ہر حساس دل میں محسوس ہوتی ہے، تخت حکومت کے لیے خون مسلم کی ارزانی جتنی اس دور میں ہوئی اس کی نظیر کم نظر آتی ہے، مادی وسائل کی وسعتوں نے دلوں کو دین سے دور اور دنیاوی ہوس کاریوں سے قریب تر کر دیا تھا، ذہنوں میں سازشوں اور فتنوں نے رنگ جمالیا تھا، عیش و طرب کی محفلیں آباد اور دینی قدریں پامال ہو رہی تھیں، امراء عیش کیشیوں میں مصروف، علماء حرص و آز کے اسیر اور تملق کی رذالت میں ڈوبتے جا رہے تھے، صوفیا اور زہاد ریاکاری کی دلدل میں دھنس چکے تھے، خودسری اور سرکشی فکری وطیرہ اور تصادم و خون ریزی انسانی مشغلہ بن چکا تھا، طوائف الملوکی کے اس دور میں اسلام دشمن طاقتوں نے بھی اپنے انتقامانہ حوصلے نکالنے شروع کر دیے، طرح طرح کے عقائد مسلمانوں پر تھوپے گئے، نصب، خروج، رفض، اعتزال، باطنیت، قرامطہ کے درماندہ گروہ بھی اسی دور کی یادگار ہیں، یہودیت اور عیسائیت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ چل پڑا تھا، اس دور کے اخیر مرحلے میں ایک ہادی امت، محسن ملت اٹھا اور اپنے نفسان سوختہ سے اسلام کے ٹمٹماتے چراغ کی لوئیں تیز کر گیا۔

اسلامی قدریں پھر سے زندگی کی حرارتیں لے کر اٹھیں اور انفس و آفاق کی وسعتوں پر چھا گئیں، اس کی جاں بخش صداؤں نے دلوں کی خوابیدگی کو بیداری بخشی، بہکی فکروں کو صحیح سمت عطا کی، جبر و استبداد میں پستی انسانیت نے چین کی سانس لی، اسلام کی سونی بزمیں آراستہ ہوئیں، تصوف کے غبار میں اٹے چہرے پھر شفاف ہو گئے، اسلام کا روئے زیبا ایمان کی چاندنی میں نکھر

٭ مقالہ نگار پٹنہ میں مقیم اہل سنت کے مشہور اسلامک اسکالر ہیں۔

گیا، اسی ذات گرامی کو دنیا غوث اعظم، شیخ الاسلام، محی الدین ابو محمد سید عبد القادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتی ہے جنہوں نے اپنے جد کریم سیدنا امام حسن مجتبیٰ اور سیدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قدم بہ قدم چل کر اسلام کی ڈوبتی نبض کو زندگی کی حرارتیں بخشیں۔

پہلے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاکیزہ اوراق حیات کے اجمالی مطالعے سے ہم اپنی فکر کو تازگی بخشتے ہیں پھر ایک نگاہ آپ کے دعوتی اسلوب پر۔

سرکار غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۷۰ھ میں حضرت ابو صالح موسیٰ جنگی دوست کے گھر گیلان میں حضرت ام الخیر فاطمہ بنت عبد اللہ صومعی کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے، اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ کی عمر شریف ساٹھ سال کی ہو چکی تھی، آپ نجیب الطرفین سید، والد ماجد کی جانب سے حسنی اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حسینی ہیں، آپ ابتدائے آفرینش سے کرامت آثار تھے، آپ نے شیر خوارگی کے زمانے میں بھی روزے کے اوقات میں شیر مادر نوش نہ فرمایا، شکم مادر ہی میں والدہ ماجدہ کی تلاوت سن کر ۱۵؍ پارے حفظ کر چکے تھے، بچپن ہی سے ہر ایک آپ سے شفقت و اکرام کا معاملہ رکھتا، ۱۸؍ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل کے لیے عروس البلاد بغداد مقدس پہنچے اور ناموران فن سے بھرپور استفادے کئے جن میں عارف باللہ حضرت حماد دباس قدس سرہ اور قاضی ابو سعید مبارک مخزومی قدس سرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ان میں آخر الذکر حضرت مخزومی سے آپ کو غایت درجہ عقیدت تھی اور پھر یہی آپ کے شیخ طریقت ٹھہرے، آپ ہی کے ارشاد کے مطابق شاہ جیلاں نے مدرسہ باب الازج میں درس وافادہ کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے قدوم میمنت لزوم سے طلبا کا اس قدر ازدحام ہوا کہ قدیم عمارت ناکافی ہو گئی تو بغداد کے علم دوست حضرات نے اسے وسعت دے کر شاندار نئی عمارت تیار کرائی اور ''مدرسہ قادریہ'' نام رکھا، آپ کا درس تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، نحو اور تجوید کے موضوعات پر محیط ہوتا، تفسیر وحدیث کے وہ گراں قدر نکات ارشاد فرماتے کہ آپ کے اساتذہ اور اساطین فن بھی انگشت بدنداں رہ جاتے، افتا نویسی، رشد و ہدایت اور وعظ و تلقین بھی آپ کے نمایاں مشاغل تھے، آپ نے وعظ کا سلسلہ ۱۶؍ شوال ۵۲۱ھ منگل کے دن سے شروع فرمایا، ابتداءً جھجک رہی کیونکہ آپ عجمی تھے اور بغداد فصحائے عرب کا گہوارہ لیکن فیض رسالت مآب اور فیضان مرتضیٰ نے آپ کی زبان مبارک میں ایسی روانی اور طلاقت پیدا کر دی کہ مضامین کا ایک سیل رواں ہوتا جو آپ کے دہن مبارک سے نکلتا چلا جاتا، تاثیر ایسی ملی تھی کہ پتھر دل بھی موم ہو جاتے، سیاہ کار تائب ہوتے، تقویٰ شعاروں کو ثبات ملتا اور کفر کی آلودگی میں لتھڑے لوگ سرچشمۂ اسلام کے قریں آکر شفاف ہو جاتے، ستر ہزار افراد پیادہ اور گھوڑوں پر سوار آپ کی محفل وعظ میں شریک ہوتے، آپ کے مواعظ حسنہ کو چار چار سو افراد قلمبند کرتے، اس محفل میں سینکڑوں افراد اسلام قبول کرتے، فسق و فجور سے تائب ہوتے اور جب آپ یہ فرماتے ''رجعنا من القال الی الحال'' تو لوگوں پر وجد کی ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ بے حال ہو ہو جاتے، بہتیرے مرغ بسمل کی مانند تڑپنے لگتے اور بعض تو وہیں جان جان آفریں کے سپرد کر دیتے۔

آپ اپنے خلوت کدے سے بہت کم نکلتے، جلال اور جمال کے سنگم، رقیق القلب، نحیف الجثہ، متوسط قد، کشادہ سینہ، دراز ریش، بلند آواز اور خوش رفتار تھے، آپ کے رعب جلال کے سامنے کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہوتی، خلیفۂ وقت کو جب کسی حاجت مند کے سلسلے میں خط لکھتے تو یہ تحریر فرماتے ''عبد القادر تم کو اس بات کا حکم دیتا ہے، تم پر اس کا حکم نافذ اور اس حکم کی اطاعت واجب ہے۔''

حضور غوث اعظم نے بیشتر زبانی تلقین ہدایت کی لیکن آپ سے چند تصانیف بھی یادگار ہیں جن میں کچھ آپ کے مواعظ حسنہ کے مجموعے ہیں:

(۱) فتوح الغیب (۲) الفتح الربانی (۳) غنیۃ الطالبین (۴) بشائر الخیرات (۵) الیواقیت والحکم (۶) الفیوضات الربانیہ،

(۷) المواھب الرحمانیہ (۸) جلاء الخاطر (۹) سرالاسرار (۱۰) ردالرفضۃ (۱۱) تفسیر القرآن الحکیم ، ۲ ر جلدیں (۱۲) مجموعۂ کلام، جیسی کتابوں کا شمار آپ کی نگارشات میں ہوتا ہے، حضور غوث اعظم کی مختلف ازواج مکرمات سے گیارہ شاہزادے اور ایک شاہزادی تولد ہوئیں۔

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک ۱۱ ر ربیع الثانی ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۵ء میں ہوا اور زائرین کے ہجوم کے سبب دوسری شب میں اسی جگہ تدفین عمل میں آئی جہاں آپ درس و افادہ کی بساط بچھاتے تھے، خانوادۂ رسالت کے ممتاز بزرگ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتشار فتن کے دور میں جس طرح ملت اسلامیہ کے وجود کو سنبھالا دیا اور باطل کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق کی جیسی قائدانہ ذمہ داریاں نبھائیں، وہ اپنے آپ میں بے نظیر ہیں۔

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں امت کے ہر طبقہ کی اصلاح و تذکیر اور دعوت و ارشاد کا فریضہ انجام دیا، آپ نے عقائد سے لے کر اعمال تک، علم سے لے کر عمل تک، خانقاہ سے لے کر سیاست تک، تجارت سے لے کر تعلیم و تدریس تک ہر طبقۂ امت کی بے راہ روی کی اصلاح فرمائی اور اس ذیل میں آپ نے کسی کا لحاظ نہیں فرمایا، آپ کو خداداد ایسا رعب حاصل تھا کہ کسی کو آپ کے سامنے مجال دم زدن نہ تھی، میں یہاں چند اقتباسات بطور مثال پیش کرتا ہوں، تفصیل کے لئے آپ کی تصنیفات مبارکہ اور مجموعہ ہائے خطبات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اتباع ذات مصطفیٰ ﷺ ایمان کی روح ہے، وابستگی مصطفیٰ کے بغیر ہر چیز اور ہر عمل اکارت ہے، امام عشق و محبت نے کیا خوب فرمایا ؎

جان ہے عشق مصطفیٰ ، روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ، ناز دوا اٹھائے کیوں

اللہ کی سرتا بہ قدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان، وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

عرصۂ قدیم سے زندیق صفت نام نہاد صوفیوں کا ایک گروہ رہا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہمیں اتباع مصطفیٰ اور ان کی شریعت کی کیا ضرورت؟ ہم تو اللہ تک پہنچ چکے، رسول کی اتباع کی اب کیا حاجت؟ اس زندیق گروہ کو متنبہ کرتے ہوئے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"تم اپنی نسبت اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح کرلو، جو صحیح معنوں میں آپ کا پیروکار ہو اس کی نسبت صحیح ہے، اتباع کے بغیر تمہارا یہ کہہ دینا مفید نہیں کہ میں حضور کی امت میں سے ہوں، جب تم اقوال و افعال میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کروگے تو آخرت میں آپ کی صحبت میں ہوگے۔" [الفتح الربانی، ص ۹۱]

اسی میں دوسری جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"جو شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہیں کرتا، ایک ہاتھ میں آپ کی شریعت اور دوسرے ہاتھ میں قرآن پاک نہیں تھامتا، اس کی رسائی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک نہیں ہوسکتی، وہ تباہ اور برباد ہوجائے گا، گمراہی اور ضلالت اس کا مقدر ہوگی، یہ دونوں بارگاہ الٰہی تک تیرے راہنما ہیں، قرآن پاک، تمہیں دربار خدا تک اور سنت، بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچائے گی............ جو شخص آداب شریعت نہیں اپناتا، قیامت کے دن آگ اسے ادب سکھائے گی۔" [الفتح الربانی، ص-۹۱]

ایک اور جگہ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"اے لڑکے! اپنے دل کو رزق حلال کے ذریعے صاف کر، تجھے معرفت الٰہیہ حاصل ہوجائے گی، تو اپنے لقمے کو، اپنے لباس اور دل کو پاک صاف کر، تجھے صفائی مل جائے گی، تصوف صفا سے بنا ہے، اے اون کا لباس پہننے والے، تصوف میں سچا صوفی وہ ہے جو اپنے دل کو اپنے مولا کے ماسوا سے پاک کرلے اور یہ مقام رنگ برنگے کپڑے پہننے، چہروں کے

زرد کر لینے اور کندھوں کے جھکا لینے، اولیائے کرام کے واقعات زبان پر سجا لینے اور تسبیح وتہلیل کے ساتھ انگلیوں کے متحرک کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، یہ مقام مولیٰ تعالیٰ کو سچے دل سے طلب کرنے، دنیا سے بے نیاز ہوجانے، مخلوق کو دل سے نکال دینے اور اپنے مولیٰ کے ماسوا سے الگ تھلگ ہوجانے سے حاصل ہوتا ہے۔'' [الفتح الربانی، ص ۹۰]

علما کے ایک طبقے کو بھی یہ غرور رہتا ہے کہ ہمیں دوسروں کی دعاؤں اور توبہ واستغفار کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرے تو خود ہماری دعاؤں کے محتاج ہیں اور ہم تو بخشے بخشائے ہیں، البتہ دوسروں کی مغفرت ہمارے طفیل ہوگی، ہمیں اب عمل کرنے کی کیا حاجت؟ اس طبقے کو متنبہ کرتے ہوئے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''علم چھلکا ہے اور عمل مغز، چھلکے کی حفاظت اس لیے کی جاتی ہے کہ مغز محفوظ رہے اور مغز کی حفاظت اس لیے کی جاتی ہے کہ اس سے تیل نکالا جائے، وہ چھلکا کس کام کا جس میں مغز نہ ہو، اور وہ مغز بے کار ہے جس میں تیل نہ ہو، علم ضائع ہوچکا ہے کیوں کہ جب علم پر عمل نہ رہا تو علم بھی ضائع ہوگیا، عمل کے بغیر علم کا پڑھنا اور پڑھانا کیا فائدہ دے گا؟ اے عالم! اگر تو دنیا اور آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اپنے علم پر عمل کر اور لوگوں کو علم سکھا۔'' [الفتح الربانی، ص ۱۰۶]

''مجھے تیری مدح یا ذم، دینے اور نہ دینے کی فکر نہیں ہے، تیری خیر اور شر اور تیرے متوجہ ہونے یا نہ ہونے کو بھی میں خاطر نہیں لاتا، تو جاہل ہے اور جاہل کی پروا نہیں کی جاتی، اگر تجھے موقع ملے اور تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو تیری عبادت مردود ہوگی، کیوں کہ یہ عبادت، جہالت پر مبنی ہے اور جہالت تمام تر فساد کا باعث ہے۔'' [ایضا، ص ۷۰]

دیکھو! ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے سائل کو دیا کرتے تھے، اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالتے، اس کا دودھ دوہتے اور اپنا کرتہ سیا کرتے، تم ان کی متابعت کا دعویٰ کیسے کرتے ہو، جب کہ اقوال و افعال میں ان کی مخالفت کر رہے ہو.................. اے مولویو، اے فقیہو! اے زاہدو! اے عابدو! اے صوفیو! تم میں کوئی ایسا نہیں جو توبہ کا حاجت مند نہ ہو، ہمارے پاس تمہاری موت اور حیات کی ساری خبریں ہیں۔ سچی محبت جس میں تغیر نہیں آسکتا وہ محبت الٰہی ہے، وہی ہے جس کو تم اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور وہی محبت روحانی صدیقوں کی محبت ہے..................

اے نفس، خواہش، طبیعت اور شیطان کے بندو! میں تمہیں کیا بتاؤں میرے پاس تو حق در حق، مغز در مغز اور صفا در صفا توڑنے اور جوڑنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے یعنی توڑنا ماسوا اللہ سے اور جوڑنا اللہ سے.................. اے منافقو! اے دعویٰ کرنے والو! اے جھوٹو! میں تمہاری ہوس کا قائل نہیں، اہل دل کی صحبت اختیار کرو، تاکہ تم کو بھی دل نصیب ہو، لیکن تمہارے پاس تو دل ہے ہی نہیں، تم تو سراپا نفس و طبیعت اور ہوا و ہوس ہو.................. اے بغداد کے رہنے والو! تمہارے اندر نفاق زیادہ اور اخلاص کم ہوگیا ہے اور بے عمل باتوں کی فراوانی ہے، عمل کے بغیر قول کس کام کا، تمہارے اعمال کا بڑا حصہ بے روح جسم کی طرح ہے، غفلت مت کرو اپنی حالت کو پلٹو تاکہ تم کو راہ ملے، اے عالمو اور زاہدو! بادشاہوں اور سلطانوں کے لیے تم کب تک منافق بنے رہو گے تاکہ تم ان سے زر و مال، شہوتیں اور لذتیں حاصل کرتے رہو..................

(اے مولوی!) تو احوال باطنی کو نہیں پہچانتا تو ان میں کلام کیوں کرتا ہے؟ تجھے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں تو اس کی طرف کیوں بلاتا ہے؟ تو صرف اس مالدار کو پہچانتا ہے، اس بادشاہ کو پہچانتا ہے، تیرے لیے کوئی رسول و مرسل نہیں ہے، تو ورع اور پرہیز کے ساتھ نہیں کھاتا، تو حرام طریقے سے کھاتا ہے، دین کے بدلے دنیا کا کھانا حرام ہے، تو منافق ہے دجال ہے، میں منافقوں کی دوکانوں کا دشمن ہوں، ان کی عقلوں کو تباہ کرنے والا ہوں، میرے کدال اس منافق کا گھر تباہ کردیں گے اور اس کا ایمان سلب کرلیں

گے جس کا وہ دعویدار ہے۔'' [الفتح الربانی، ص ۔ ۲۴۴]

اگر کوئی رحمت اور برکت برقرار رہے تو اسے اللہ کی طرف سے جان کر شکر ادا کرو کیوں کہ اللہ ہی ہر شئے پر قادر ہے، اللہ کو اپنی قدرت میں کامل سمجھو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرو، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی آیات مختلف طریقوں سے اتاری گئیں اور کشف و معرفت کی ہر دوسری حالت اپنی پہلی حالت سے اعلیٰ وارفع ہوا کرتی تھی اور ہاں جب کبھی التوا اور حجاب وارد ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استغفار سے کام لیا کرتے، استغفار تطہیر وتدوین ذات اور جلائے قلب کا موجب بنتی ہے، استغفار ہی بندے کا بہتر حال ہے۔

توبہ اور استغفار ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی میراث ہیں، جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنا ارادہ اور خواہش اجاگر کی تو خدا نے حالات بدل دیئے، پھر حضرت آدم علیہ السلام کو جب اس کا احساس دلایا گیا تو انھوں نے بھی استغفار سے کام لیا کہ ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور اب اگر تو ہمیں معاف نہیں فرمائے گا تو ہم دائمی خسارے میں رہیں گے۔'' پھر اللہ رب العزت نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور انھیں شعور وآگاہی بخشی اور توبہ کے اسرار ان پر منکشف کیے اس طرح انھیں دنیا میں رہنے کی جگہ ملی اس میں ان کی اولاد بھی رہنے لگی، پس بندے کو ہر حال میں نیازمندی اور استغفار کو اپنانا چاہیے کہ یہ پیغمبرانہ وصف ہے۔

پھر ایسے دنیادار مولویوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''ان لوگوں کی بات نہ سنو جو اپنے نفس کو خوش کرتے ہیں، بادشاہوں کے سامنے ذلت اختیار کرتے ہیں، انہیں اللہ کے اوامر ونواہی نہیں سناتے، اگر سنائیں بھی سہی تو از راہ منافقت اور تکلف سنائیں گے، اللہ تعالیٰ زمین کو ان سے اور ہر منافق سے پاک فرما دے یا انہیں توبہ کی توفیق دے اور اپنے دروازے کی جانب ہدایت عطا فرمائے۔'' [ایضاً، ص ۲۴۵]

''تم ان علما کی صحبت اختیار نہ کرو جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے، ان کی صحبت تمہارے لیے نحوست کا باعث ہوگی۔'' [ایضاً، ص ۵۱]

لیکن ان علمائے سوء اور دنیادار مولویوں کی وجہ سے باعمل علمائے کرام اور صلحائے عظام کی محبت اور عقیدت کم نہ ہوجائے، اس لئے امت مصطفوی کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پہلے لوگ دین اور دلوں کے اطبا، اولیا اور صالحین کی تلاش میں مشرق ومغرب کا چکر لگاتے تھے، جب انہیں ان میں سے کوئی مل جاتا تو اپنے دین کی دوا طلب کرتے اور آج تم فقہا، علما اور اولیا سے بغض رکھتے ہو جو ادب اور علم سکھاتے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ تم دوا حاصل نہیں کر پاتے۔'' [ایضاً، ص ۱۲۷]

عمل خیر کی تلقین کرتے ہوئے امت مسلمہ کو پند ونصیحت فرماتے ہیں، ذرا اسلوب کا سوز اور تلقین کا انداز ملاحظہ فرمائیے، سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''اے لڑکے! تو دنیا میں بقا اور عیش کے لیے پیدا نہیں کیا گیا، اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ امور کو تبدیل کردے، تو نے سمجھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لینا کافی ہے، یہ تیرے لیے اسی وقت مفید ہوگا جب تو اس کے ساتھ کچھ اور امور (اعمال صالحہ) ملائے گا، ایمان اقرار اور عمل کا نام ہے، جب تو گناہوں، لغزشوں میں مبتلا اور احکام الٰہیہ کی مخالفت کا مرتکب ہوگا، ان پر اصرار کرے گا، نماز، روزہ، صدقہ اور افعال خیر ترک کرے گا تو یہ دوشہادتیں تجھے کیا فائدہ دیں گی؟

جب تو نے لاالہ الا اللہ کہا تو یہ ایک دعویٰ ہے، تجھے کہا جائے گا اس دعوے پر دلیل کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے ان کا ادا کرنا، جن سے منع کیا ہے ان سے باز رہنا، آفتوں پر صبر کرنا اور تقدیر الٰہی کو تسلیم کرنا اس دعویٰ کی دلیل ہے، جب تو نے یہ عمل کیے تو اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے بغیر مقبول نہ ہوں گے، قول بغیر عمل کے اور عمل بغیر اخلاص اور اتباع سُنت کے مقبول نہیں۔'' [الفتح الربانی، ص ۔ ۱۰]

امت مسلمہ کو آخرت کی تیاری اور قبول حق کی تلقین اور دنیا

کی رنگینیوں میں گرفتار نہ ہونے کی نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''اے قوم! تم لوگ دنیا کے پیچھے دوڑتے ہو یہاں تک کہ دنیا تمھیں دے دی جاتی ہے، حالاں کہ دنیا اولیائے کرام کے پیچھے بھاگتی ہے یہاں تک کہ دنیا انہیں اس حال میں عطا کی جاتی ہے کہ ان کے آگے دست بستہ، سر جھکائے کھڑی رہتی ہے، تم اپنے نفس کو توحید کی شمشیر براں سے مارو اور اس کے لئے توفیق کی خود پہنو اور مجاہدہ کا نیزہ، تقویٰ کی ڈھال اور یقین کی تلوار لو تو کبھی اس سے نیزہ بازی کرو اور کبھی شمشیر زنی کرو، تمہارا یہ عمل برابر رہے یہاں تک نفس تمہارا تابع فرمان رہے اور تم اس کے دوش پر سوار ہو جاؤ، اس کی لگام تمہارے ہاتھ میں رہے، تم اسے لے کر خشک وتر میں سفر کرو، اس وقت تمہارا رب عزوجل تم پر مباہات فرمائے گا۔'' [الفتح الربانی، ص ۲۷۹]

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظالم حکمرانوں اور عوام کی اصلاح بھی بہت کھلے لفظوں میں فرمائی ''الفتح الربانی'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''تم رمضان میں اپنے نفسوں کو پانی پینے سے روکتے ہو اور جب افطار کا وقت آتا ہے تو مسلمانوں کے خون سے افطار کرتے ہو اور ان پر ظلم کر کے جو مال حاصل کیا ہے اسے نگلتے ہو، اے لوگو! افسوس کہ تم سیر ہو کر کھاتے ہو اور تمہارے پڑوسی بھوکے رہتے ہیں اور پھر دعویٰ یہ کرتے ہو کہ ہم مومن ہیں، تمہارا ایمان صحیح نہیں۔''

ایک دفعہ خلیفۂ وقت مستنجد باللہ ابوالمظفر یوسف ملاقات کے لیے آیا، سلام کیا اور درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں اور ساتھ ہی دراہم و دنانیر کی دس تھیلیاں پیش کیں جنہیں دس خادم اٹھائے ہوئے تھے، آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، خلیفہ کے اصرار پر دو تھیلیاں ہاتھوں میں لے کر دبائیں تو ان میں سے خون ٹپکنے لگا، آپ نے فرمایا:

''اے ابوالمظفر! تمہیں اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں آتی کہ لوگوں کا خون چوس کر لاتے ہو اور مجھے پیش کرتے ہو، خلیفہ یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا، حضرت شیخ نے فرمایا:

خدا کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ کے تعلق کا پاس نہ ہوتا تو یہ خون بہتا ہوا خلیفہ کے محل تک پہنچ جاتا۔ [قلائدالجواہر، ص ۳۰]

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ برسر منبر سلاطین اور خلفا وامرا کو کار خیر کا حکم دیتے اور برے کاموں سے منع فرماتے، ظالموں کے والی بنانے پر بلاخوف لومۃ لائم انکار فرماتے، جب خلیفۂ وقت مقتفی لامر اللہ نے ابوالوفا یحییٰ بن سعید المعروف بہ ابن مزاحم ظالم کو قاضی مقرر کیا، تو آپ نے برسر منبر خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''تو نے ایک ظالم ترین شخص کو قاضی مقرر کر دیا ہے، کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین کو کیا جواب دے گا؟ خلیفہ کانپ گیا اور اس کی آنکھوں سے سیل اشک رواں ہو گیا اور اسی وقت قاضی مذکور کو معزول کر دیا۔'' [قلائدالجواہر، ص ۹]

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ وقت کو خط لکھتے تو اس انداز میں لکھتے:

''عبدالقادر تمہیں یہ حکم دیتا ہے، اس کا حکم تم پر جاری اور اس کی اطاعت تم پر واجب ہے، وہ تیرا مقتدا اور تجھ پر حجت ہے۔'' خلیفہ کو مکتوب گرامی ملتا تو کھڑے ہو کر اسے بوسہ دیتا۔'' [زبدۃ الاسرار، ص ۵۴]

آج کل عام طور سے صوفی یا خانقاہی کہلانے والے نام نہاد افراد کا یہ ترانہ رہتا ہے کہ کسی کو برا مت کہو، صوفیہ کسی بدمذہب کو بھی برا نہیں کہتے تھے اور نہ ہی ان سے میل جول ترک کرتے تھے۔ ایسے نام نہاد صوفیہ کے لئے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحریرات تازیانۂ عبرت ہیں، آپ نے غنیۃ الطالبین میں باضابطہ طور پر اس زمانے تک موجود ہر بدمذہب فرقے کا رد فرمایا، یہ ایک تحقیقی موضوع ہے کہ حضرات صوفیہ نے اپنے دور کے بدمذہبوں کا کس کس طور سے رد فرمایا؟ کوئی فاضل توجہ دیں تو اس موضوع پر ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو جائے، سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ذیل میں بدمذہبوں سے بچنے

کی تاکید فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''بدمذہبوں کی مجلس میں جاکر ان کی تعداد میں اضافہ نہ کرے، نہ ان سے قریب ہو، نہ انھیں سلام کرے کیونکہ بدمذہب کو سلام کرنا، انہیں دوست بنانا ہے اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آپس میں سلام کو رواج دو باہم دوست ہو جاؤ گے۔

اسی طرح بدمذہبوں کی ہم نشینی نہ اختیار کرو، نہ ان کا قرب ڈھونڈو، نہ اوقات سرور اور خوشی کے موقع پر انہیں مبارک باد دو اور جب وہ مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھو، ان کا تذکرہ ہو تو ان کے لئے دعائے رحمت نہ کرو بلکہ تم ان سے جدا رہنا اور اللہ کے لئے ان سے دشمنی رکھنا اس یقین کے ساتھ کہ ان کا مذہب باطل ہے اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس ترک تعلق میں عظیم ثواب اور کثیر اجر ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض قدس سرہ نے فرمایا: جو شخص کسی بدمذہب سے محبت رکھے اللہ تعالیٰ اس کے عمل تباہ کر دے گا اور اس کے دل سے ایمان کا نور سلب فرمالے گا اور اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس طرز پر پائے گا کہ وہ بدمذہب سے محض اللہ کی رضا کے لئے بغض رکھتا ہے تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا، اگرچہ اس کے پاس نیک عمل کا ذخیرہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔ [غنیۃ الطالبین]

سرکار غوث اعظم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کو دعوت اصلاح دینے سے پہلے خود اپنی اصلاح کرنی چاہئے ورنہ خاطر خواہ اثر نہیں ہوگا۔

داعی کو فسق و فجور اور ظلم و ستم کے سامنے کبھی گھٹنے نہیں ٹیکنا چاہئے بلکہ برملا اظہار حق کرنا چاہئے، دیکھئے حضرت غوث اعظم نے ظالم حکمرانوں سے لے کر ریا کار زاہدوں، اپنے دور کے جملہ بدمذہبوں تک کے طبقات پر کڑی تنقید کی اور ان کی جانب سے ہونے والی ممکنہ شورشوں کی قطعاً پرواہ نہ کی۔

داعی کو ابتدا ہی سے سرزنش کا انداز نہیں اپنانا چاہئے بلکہ ذہنوں کو اپنے اخلاق، نرم گفتگو اور حکیمانہ تفہیم سے ہم آہنگ کرنا چاہیے، دیکھئے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلے نرم نرم گفتگو فرمائی پھر کڑی تنقید شروع کی۔

داعی کو حالات کی مکمل نباضی حاصل ہونی چاہیے تا کہ وہ سماج کی دکھتی رگ پر انگلی رکھ سکے اور اپنی ذمہ دارانہ قیادت کے تقاضے پورے کر سکے، سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوراق حیات کے مطالعے سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے، دور حاضر کو ایسی ہی ذمہ دارانہ قیادت کی ضرورت ہے۔ ■■■

ص ۴۴ کا بقیہ

کی دلچسپی کے سامان کا یوں تذکرہ کیا ہے:

''تمام غربا جو خدمت اور محنت کرنا چاہتے تھے ان کیلئے کام کے نئے نئے مواقع موجود تھے مثلا باغ کی رکھوالی، حمام کی ملازمت اور وہاں آنے والوں کے کپڑوں کی حفاظت، کسی چکی پر امین، بچوں کو مکتب میں لے جانا اور واپس لاکر گھر چھوڑنا اور اس کے علاوہ بے شمار اور کام بھی تھے۔'' [الرحلہ ۵۰]

اس شہر (دمشق) میں غرباء کے لئے اتنی سہولتیں کہ ان کا شمار مشکل ہے بالخصوص قرآن عظیم کے حفاظ کے لئے اور اس کی خواہش رکھنے والوں کے لئے، اس شہر میں ان کے عجیب حالات تھے گویہ صورت حال تمام مشرقی شہروں میں تھی لیکن اس شہر میں آنے والوں کے استقبال اور اس کی وسعت کا اور ہی انداز تھا، شمالی افریقہ میں جو شخص فلاح کا طلبگار ہوتا وہ حصول علم کے لئے ان شہروں کا سفر اختیار کرتا، اسے یہاں ہر قسم کی سہولت میسر آتی، سب سے اہم یہ کہ وہ معیشت کے مسائل سے فارغ البال ہو جاتا، اگر اس کی ہمت ساتھ دیتی تو وہ اجتہاد کے درجہ تک پہنچ جاتا، کم ہمت کے لئے کوئی عذر نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ خود نالائق اور لیت و لعل کا شکار رہا۔ [الرحلہ ۲۵۸]

گویا کہ سیاسی نظام میں تبدیلی آنے کے بعد یا یوں کہیں کہ مملکت جدیدہ کے آنے کے بعد ہر طرف خوشحالی اور خدا ترسی کا دور آ گیا اور یہ صرف اس لئے ممکن ہو سکا کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی انقلاب کے لئے مطلوبہ ساری چیزیں پیدا فرمادی تھی، اب صرف انہیں حسن ترتیب کے ساتھ برتنا تھا اور اس کار خیر کو مخلصین نے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ ■■■

اسلاف و اخلاف

فضیلت سرکار غوث اعظم



حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی اللہ تعالی کے مقرب اور برگزیدہ بندوں میں وہی مقام رکھتے ہیں جو سورج کو باقی ستاروں پر مرتبہ حاصل ہے یا انسان کے جسم کے باقی اعضا پر سر کو جو فضیلت حاصل ہے، سراج العوارف فی الوصایا و المعارف میں شیخ ابوالحسین احمد نوری مارہروی نے فرمایا کہ تمام اولیا پر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی فضیلت جلیلہ متفق علیہ ہے، کسی جزئی فضیلت کی بنیاد پر اس اجماعی مسئلے کو توڑا نہیں جا سکتا، اسی کتاب میں مذکور ہے کہ جب اللہ کے حکم سے شیخ عبدالقادر جیلانی نے فرمایا کہ میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے تو تمام اولیا نے اپنی گردنوں کو خم کر دیا، اس وقت حضرت خواجہ غریب نواز نوجوان تھے اور خراسان کی کسی پہاڑی میں عبادت و ریاضت میں مشغول تھے جیسے ہی یہ آواز سنائی دی فوراً آپ نے سر خم کر دیا اور کہا کہ اے میرے سردار اور آقا آپ کا قدم میری گردن ہی پر نہیں بلکہ میرے سر پر ہو، اللہ رب العزت کے حکم سے خواجہ کی اس سعادت مندی کا حال جب حضرت غوث اعظم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا غیاث الدین کے بیٹے نے اطاعت میں سبقت کی، پھر آپ نے فرمایا عنقریب ولایت ہندوستان خواجہ معین الدین کے حصہ میں آنے والی ہے، خواجہ نے عرض کیا ہمیں عراق عطا کیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ عراق کی ولایت شیخ شہاب الدین سہروردی کو پہلے ہی مقدر ہو چکی ہے، غوث اعظم کی ولادت یکم رمضان ۴۷۰ھ لکھا ہے، شیخ ابوالفضل احمد بن صالح جیلی کا ایک قول امام یافعی نے نقل کیا ہے کہ غوث اعظم کی ولادت ۴۷۱ھ میں ہوئی اور ۴۸۸ھ میں آپ بغداد تشریف لے گئے۔

حضرت غوث اعظم عجمی اور نجیب الطرفین سید تھے، والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی، آپ کے والد کا نام ابو صالح موسی جنگی اور والدہ کا نام ام الخیر فاطمہ تھا، آپ کے دادا ابو عبداللہ اور نانا عبداللہ صومعی تھے، وطن مالوف ”گیل“ ہے جسے گیلان اور اہل عرب اسی کو جیل اور جیلان کہتے ہیں، یہ طبرستان کے پاس ایک علاقہ ہے جو عجم میں واقع ہے، اسی کے قصبہ نیف میں آپ پیدا ہوئے، چار سال کی عمر میں جب آپ نے تعلیم کا آغاز کیا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کیا اور متواتر اٹھارہ پارے پڑھ ڈالے، استاذ کی حیرت کی انتہا نہ رہی، استاذ نے پوچھا کہ مدرسہ میں پہلا دن ہے پھر یہ اٹھارہ پارے کیسے یاد کیے؟ تو فرمایا کہ شکم مادر میں ہی اٹھارہ پاروں کا میں حافظ ہو چکا تھا، اس لیے کہ میری والدہ اٹھارہ پاروں کی حافظ ہیں، وہ روزانہ تلاوت کرتی تھی میں نے اللہ کے فضل سے ماں کے پیٹ میں سن کر یاد کر لیا تھا، بعض کتابوں میں چودہ پاروں کی حافظ لکھا ہے۔

تمام اہل علم کا اس امر پر اتفاق ہے کہ آپ پیدائشی ولی تھے، اسی لیے جب آپ مدرسہ جاتے تو اساتذہ آپ کا احترام کرتے، جگہ خود بخود کشادہ ہو جاتی، کبھی کھیل کود میں یا دنیاوی امر میں مشغول ہوتے تو کانوں میں آواز سنائی دیتی کہ کیا تو اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، آواز دینے والا کہیں نظر نہیں آتا، آپ خوف کے سبب جا کر ماں کی گود میں چھپ جاتے، عہد طفلی میں رمضان کے دنوں میں طلوع صادق سے غروب آفتاب تک دودھ نہیں پیتے تھے۔

اساتذہ کرام

آپ کے اساتذہ میں شیخ حماد بن مسلم، ابوالوفاء علی بن عقیل، ابوالخطاب محفوظ بن احمد الکلوا ذی، ابوالحسین محمد بن القاضی ابی

* مضمون نگار امام احمد رضا فاؤنڈیشن لکھنؤ کے ڈائریکٹر ہیں۔

یعلیٰ، ابوغالب محمد بن الحسن الباقلانی، ابوزکریا تبریزی اور حضرت قاضی ابوسعید مبارک بن علی المخزومی وغیرہ ہیں۔

علمی مقام اور تصنیفات

آپ اپنے وقت کے صاحب مرتبہ عالم وفقیہ تھے، سالوں تک فقہ وافتا کی ذمہ داری نبھائی، آپ کا مسلک حنبلی تھا، امام احمد بن حنبل کے مسلک پر فتوی دیتے تھے، بے پناہ علم وفضل کے مالک تھے، تقوی وطہارت، زہد وورع، اتباع سنت وشریعت میں اعلی مقام رکھتے تھے، بکثرت کشف کے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں، آپ سے بیشمار کرامتیں صادر ہوئیں، علمی اعتبار سے دیگر اولیائے کرام پر آپ کو فوقیت حاصل ہے، آپ نے کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، شعر گوئی پر قدرت رکھتے تھے، آپ کی تصنیفات میں غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب، الفتح الربانی، بشائر الخیرات، الوباب الرحمانیہ والفتوحات الربانیہ، سر الاسرار، رد الرافضہ، تفسیر قرآن اور علم ریاضی میں ایک کتاب ہے، روایتوں میں آیا ہے کہ آپ کی تصنیفات کی تعداد ۶۹ ؍ ہے، ہر سلسلے میں غوث اعظم کا فیضان جاری ہے۔

حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی کے فضائل و مناقب بیشمار ہیں، تمام ولیوں کا سلسلہ آپ تک پہنچتا ہے، جتنے بھی سلاسل صوفیا ہیں خواہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، یہ سب کے سب غوثیت مآب کے فیض سے ہی جاری ہیں، یہ چار مشہور سلاسل ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے سلسلے ہوئے کچھ ہیں کچھ ختم ہوگئے، قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کی بہت سی شاخیں ہیں۔

سرکار غوث اعظم کی غوثیت

اصطلاح صوفیا میں ”غوثیت“ ایک درجہ اور مرتبہ ہے جو بہت کم ولیوں کو نصیب ہوتا ہے، حضور غوث اعظم کو اللہ نے ”غوثیت کبریٰ“ کے مقام رفیع سے سرفراز فرمایا اور اپنا قرب عطا کیا اور اپنے محبوبوں میں شامل فرمایا۔

حضور غوث پاک کو غوثیت کے علاوہ افراد کا منصب بھی بخشا گیا، صوفیا کے نزدیک یہ اتنا عظیم منصب ہے کہ اس پر غوثیت بھی فخر کرتی ہے، حضرت غوث اعظم کا ایک لقب سید الافراد بھی ہے۔

اکی مرید خاص کی سچی ارادت

حضرت غوث اعظم کے زمانے میں ایک بزرگ سیدی عبد الرحمن طفسونجی نے ایک روز برسر منبر فرمایا: میں اولیا میں ایسا ہوں جیسے کلنگ سب سے اونچی گردن والا، وہیں حضرت غوث پاک کے ایک مرید خاص سید احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے، یہ سن کر انھیں ناگوار گزرا اور محسوس ہوا کہ یہ بزرگ ہمارے شیخ حضرت غوث اعظم پر اپنی برتری ظاہر کر رہے ہیں، بس گدڑی پھینک دی اور کھڑے ہوگئے اور کہا کہ میں آپ سے کشتی لڑنا چاہتا ہوں، حضرت سیدی احمد کو شیخ عبد الرحمن نے کئی مرتبہ سر سے پیر تک اور پیر سے سر تک دیکھا اور خاموش ہوگئے، لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا میں نے دیکھا کہ اس کے جسم کا کوئی رونگٹا رحمت الٰہی سے خالی نہیں ہے اور ان سے فرمایا گدڑی پہن لو، انہوں نے کہا فقیر جس کپڑے کو اتار کر پھینک دیتا ہے دوبارہ نہیں پہنتا، بارہ روز کے راستہ پر ان کا مکان تھا، اپنی زوجہ کو آواز دی، فاطمہ میرے کپڑے دو، انہوں نے وہیں سے ہاتھ بڑھا کر کپڑے دیدیئے اور انہوں نے ہاتھ بڑھا کر لے لیئے، اس ماجرا کو دیکھنے کے بعد سیدی عبد الرحمن نے پوچھا تم کس کے مرید ہو، فرمایا سرکار غوثیت مآب کا غلام ہوں، اتنا سننے کے بعد سیدی عبد الرحمن نے اپنے دو مریدوں کو بغداد بھیجا کہ جا کر سرکار غوث اعظم سے عرض کرو، بارہ برس سے قرب الٰہی میں حاضر ہوتا ہوں نہ آپ کو آتے دیکھا نہ جاتے دیکھا، ادھر غوث اعظم نے اپنے دو مریدوں کو طفسونج بھیجا اور فرمایا کہ راستہ میں شیخ عبد الرحمن کے دو مرید ملیں گے ان کو واپس لے جاؤ اور شیخ عبد الرحمن کو جواب دو کہ وہ جو صحن میں ہے کیونکر دیکھ سکتا ہے اسے جو دالان میں ہے، اور جو دالان میں ہو اسے کیسے دیکھ سکتا ہے جو کوٹھری میں ہو، اور وہ جو کوٹھری میں ہو، اسے کیوں کر دیکھ سکتا ہے جو نہاں خانۂ خاص میں ہو، میں نہاں خانۂ خاص میں ہوں اور علامت یہ ہے کہ فلاں شب ۱۲ ؍ ہزار اولیا کو خلعت عطا ہوئے

تھے یاد کرو کہ تم کو جو خلعت ملا تھا وہ سبز تھا اور اس پر سونے سے قل ھو اللہ شریف لکھی تھی، اتنا سننا تھا کہ شیخ عبدالرحمن نے سر جھکا دیا اور کہا صدق الشیخ عبد القادر وھو سلطان الوقت۔ [الملفوظ]

اس واقعہ سے حضور غوث اعظم کی قربت و مقبولیت کا پتہ چلتا ہے، غوث پاک خدائے وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں اس مقام پر فائز تھے جہاں دوسروں کی رسائی نہیں ہوسکتی، بڑی بڑی اونچی گردنیں والے آپ کی خدمت میں خمیدہ حاضر ہوتے، آپ کے مریدوں کی شان کے آگے اولیا زمانہ سر جھکاتے پھر آپ کی منزلت کا کوئی کیسے اندازہ کرسکتا ہے۔

ایک نصیحت آموز حکایت

ایک دن خلیفہ مستنجد باللہ نے حضرت سرکار غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں اشرفیوں کے دس توڑے نذر کیے، آپ نے لینے سے انکار فرمایا جیسا کہ آپ کا معمول تھا، لیکن خلیفہ کا جب اصرار بڑھا تو آپ نے ایک توڑا دائیں ہاتھ میں اور ایک بائیں ہاتھ میں لے کر رگڑنا شروع کیا تو اشرفیوں سے خون ٹپکنے لگا، آپ نے خلیفہ کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تم لوگوں کو خدائے بزرگ و برتر سے شرم نہیں آتی کہ انسانوں کا خون چوستے ہو اور اسے جمع کر کے میرے پاس لاتے ہو یہ دیکھ کر خلیفہ پر ایسا اثر ہوا کہ غشی طاری ہوگئی۔

اہل اللہ کے نزدیک حرام مال کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی، اس لیے کہ مال حرام کے استعمال سے رحمت الٰہی دور ہوجاتی ہے، حرام مال کا استعمال عبادت و ریاضت کو اکارت کر دیتا ہے پھر عبادت کا ذوق و شوق ختم ہوجاتا ہے اور دل یاد الٰہی میں لطف نہیں پاتا۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ علوم ظاہری اور علوم باطنی دونوں میں یکساں کمال رکھتے تھے، جس طرح آپ کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر ہزاروں لوگوں نے اپنے گناہوں اور برائیوں سے توبہ کی اور کثیر تعداد میں یہود و نصاریٰ نے اسلام قبول کرلیا، اسی طرح آپ کی تدریسی خدمات سے بہتوں نے علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا، علم ظاہر کے ذریعہ آپ علم باطن کے قریب کرنا چاہتے تھے، اس لیے کہ علم ظاہر کے بغیر معرفت خداوندی حاصل کرنے کی دوڑ میں طالب راہ کے بھٹک جانے کے امکانات قوی ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام اولیاء اللہ پہلے شریعت نبوی کے حصول کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

حصول علم کے بعد حضرت سیدنا غوث اعظم کے استاذ قاضی ابو سعید مبارک مخزومی کے ارشاد فرمانے کے مطابق غوث اعظم نے مدرسہ باب الازج میں تدریس کی ذمہ داری قبول فرمائی، آپ کے عالمانہ فاضلانہ تدریس کی شہرت کے عام ہوتے ہی طالبان علوم نبوت اور عاشقان شریعت کا جم غفیر امنڈ پڑا، طالبان محبت و عقیدت کی بھیڑ کے سامنے مدرسہ باب الازج کی گنجائش کم پڑنے لگی اور حال یہ ہوا کہ طلبہ کو جگہ نہیں ملتی تھی، اس حالت کو دیکھ کر بعض اہل خیر نے زر کثیر صرف کر کے مدرسہ کی توسیع کی، اس وقت یہ مدرسہ باب الازج کی بجائے مدرسہ قادریہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔

■■■

از: مولانا کوثر امام قادری*

غوث اعظم کی انقلابی تحریک اور اس کے دور رس نتائج



اسلاف و اخلاف

آخری قسط

حضور غوث اعظم بیان فرماتے ہیں کہ ذاتی تیاری اور دوستوں کی حوصلہ افزائی سے پہلے ہی آپ نے وعظ کی مجلس شروع کردی تھی اور یہ مجالس دو یا تین اشخاص سے شروع ہوئیں پھر رفتہ رفتہ لوگوں کا ہجوم ہونے لگا، یہاں تک ستر ہزار افراد شامل مجلس ہونے لگے۔ [قلائد الجواہر ۱۲]

پھر حاضرین کی تعداد اس قدر بڑھی کہ مدرسہ تنگ ہو گیا اور آپ فصیل بغداد کی طرف اپنی رباط کی جانب باہر نکلے، لوگ آپ کی خدمت میں آتے تھے اور کثیر تعداد میں مخلوق خدا آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتی اور اپنی زندگی کو اسلامی انوار و تجلیات سے معمور و منور کرتی۔ [المنتظم، حصہ ۱۰، ۲۱۹]

آپ کے خطاب کا عنوان صرف اور صرف اصلاح فکر و عمل ہوتا مجلس میں عوام و خاص، علمائے کرام حکام، سلاطین زہاد، عباد سبھی شریک ہوتے اور ہر ایک کی اصلاح فرماتے، برائیوں پر تنقید فرماتے، اوصاف حسنہ اختیار کرنے کی دعوت دیتے، نہ ہی کسی کے رعب و دبدبہ سے مرعوب ہوتے اور نہ کسی سے خوف زدہ، انتہائی جرأت و ہمت کے ساتھ اعلاء کلمۃ الحق فرماتے، آپ کے مواعظ و مجالس اور پر جوش بیانات کے ایک بڑے حصے کو الفتح الربانی نامی کتاب میں تاریخ و مقام کی تفتیش کے ساتھ جمع کر دیا گیا، آپ کی گفتگو کا تیور اور اسلوب بیان دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ منبر خطابت پر نہیں بلکہ میدان جہاد میں برائیوں کے خلاف شمشیر بکف کھڑے ہیں، بدعات اور خرافات کا قلع قمع فرما رہے ہیں، آپ کے جملے تیر و نشتر بن کر لوگوں کے دلوں میں چبھ رہے ہیں، گناہوں میں ڈوبا انسان کانپ رہا ہے اور آپ اس کو صاف ستھرا کرنے پر آمادہ ہیں، یہاں آپ کے خطاب و پر جلال تقریر کے چند اقتباسات پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ حق پہنچانے میں کسی کی کچھ بھی رعایت نہیں فرماتے، ایک خطاب عام میں آپ نے بگڑے ہوئے علما کی یوں گرفت فرمائی:

”اے اہل آخرت کے راستے میں دنیاوی ڈاکوؤ! اے حق سے ناواقفو! تم ان عوام کے مقابلے میں گناہوں کے اعتراف کے زیادہ حقدار ہو، تمہارے پاس کوئی خیر بھی تو نہیں۔“ [الفتح الباری ۲۸۹]

ایک خطاب میں یوں فرماتے ہیں:

”اگر تمہارے پاس علم کا ثمر اور برکت ہوتی تو تم سلاطین کے دروازوں پر اپنے نفس کے حظ اور خواہشات کو پانے کی کوشش نہ کرتے، ایک عالم کے پاس ایسے دو پاؤں ہی نہیں ہوتے جن سے چل کر وہ مخلوق کے دروازے پر جاتے، زاہد کے پاس ایسے دو ہاتھ ہی نہیں ہوتے جن کے ذریعہ وہ لوگوں کے مال کو پکڑ سکے اور اللہ عزوجل کے محب کے پاس ایسی دو آنکھیں ہی نہیں ہوتیں جن سے وہ اللہ کے علاوہ کسی چیز کو دیکھ سکے۔“ [الفتح الباری، ص ۲۰۲]

ایک وعظ میں یوں فرماتے ہیں:

”اے علم و عمل میں خیانت کرنے والو! اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو! اے اللہ عزوجل کے بندوں کو جدا کرنے والو! تم ظاہر ظلم اور ظاہر نفاق میں مبتلا ہو، یہ نفاق آخر کب تک؟ اے علما! اے زاہدو! تم دنیا اور اس کی شہوات و لذات کے ملنے سے کچھ حاصل کرنے کے لئے ملوک و

* مضمون نگار دار العلوم فخر العلوم مہاراج گنج، یوپی کے مدرس اور علم حدیث کے ماہر ہیں۔

سلاطین سے آخر کتنی منافقت کرو گے؟ تم اور اکثر بادشاہ اس زمانے میں ظالم اور اللہ عزوجل اور اس کے بندوں کے مال کے خائن ہیں، اے اللہ! منافقین کی شوکت کو توڑ دے ظالموں کا قلع قمع کردے، زمین کو ان سے پاک کردے یا ان کی اصلاح فرما۔" [الفتح الباری ۱۷۳]

آپ کی تقریر و وعظ کا اکثر حصہ اپنے عہد کے علما کی مذمت پر مشتمل ہوتا، جسے سن کر تاب نہ لانے والے علما، مشتعل ہو جاتے اور آپ کی مخالفت کرتے، سامنے کسی کو بولنے کی جرأت تو نہ ہوتی لیکن نجی مجلسوں میں آپ کے خلاف لب کشائی اور طرح طرح کی سازشوں کا ارتکاب کرتے، چنانچہ ایک خطاب میں آپ نے اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا:

"اے عالم! تیرا کلام تیری زبان سے نکلتا ہے نہ کہ تیرے دل سے، تیری صورت سے نہ کہ تیرے معنی سے، اے منافقو! اللہ تمہیں برکت نہ دے، تمہارے کام اس چیز کو سنوارنے میں صرف ہوتے ہیں جو تمہارے اور مخلوق کے درمیان ہیں بجائے حق عزوجل کے، اے اللہ مجھے ان پر مسلط کردے یہاں تک کہ میں زمین کو ان کے وجود سے پاک کردوں اس زمانے میں منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ میرے پاس نہیں آتا اور مجھے ملتا ہے تو سلام نہیں کہتا اور اگر ایسا کرتا بھی ہے تو محض تکلف سے کرتا ہے، یہ دین تباہ ہو گیا، اس کی چار دیواری گر گئی۔

اے اللہ! اس کی تعمیر میں میری مدد فرما، اے منافقو! تمہارے ہاتھوں اس کی تعمیر نہیں ہوگی، تم میں کوئی ایسا شرف نہیں کہ تمہارے ہاتھوں اس کی تعمیر ہو، تم کیسے تعمیر کرو گے جبکہ تمہارے پاس نہ تو تعمیر کی صنعت ہے نہ اس کے لئے اوزار، اے جاہلو! پہلے اپنے دین کی چہار دیواری بناؤ، پھر دوسروں کو بنانے کے لئے وقت نکالو! جب تم نے مجھ سے دشمنی کی تو تم نے اللہ عزوجل اس کے رسول سے دشمنی کی، کیوں کہ میں ان دونوں کی نصرت سے قائم ہوں، زیادتی نہ کرو کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام کر کے رہتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر نہ کر سکے، وہ کیوں کر ایسا کر سکتے جبکہ اللہ عزوجل کے یہاں آپ بادشاہ اور انبیا میں سے ایک نبی تھے اور اس کے صدیقوں میں سے ایک صدیق تھے، اس کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ آپ پر لوگوں کی بھلائی جاری ہوگی، اے دور حاضر کے منافقو! تم بھی اپنے ہی ہو تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کردو، تمہارے پاس کوئی شرف نہیں تمہارے ہاتھ اس سے قاصر رہیں گے۔ [الفتح الربانی، ص ۲۲۳]

آپ کی تقریر کا اثر بہت گہرا ہوتا، جن علما کے مقدر میں تابنا کی تھی، وہ آپ کے قریب ہوئے اور اپنی دنیا و آخرت دونوں سنوار لی اور نہ صرف یہ کہ خود روشن ہوئے بلکہ وہ ہدایت اور اجالوں کی نمائندگی کرنے لگے اسطرح علما کا ایک بڑا طبقہ مشن غوثیہ کی ترویج و اشاعت کے لئے تازہ دم ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

جس طرح آپ علما پر تنقید فرماتے ٹھیک اسی طرح حکام و سلاطین کی مذمت کرتے اور لوگوں کو ان کی رضا و خوشنودی کے لئے شریعت کے خلاف ورزی کرنے سے منع فرماتے، ایک مجلس میں آپ فرماتے ہیں:

"بہت سے لوگوں کے لئے بادشاہ خدا بن گئے ہیں، دنیا، دولت عافیت اور قوت خدا بن گئی ہے اور حکم چلاتی ہیں، تم نے فرع کو اصل بنا لیا ہے، رزق پانے والے کو رازق غلام کو مالک فقیر کو غنی، عاجز کو قوی اور مردہ کو زندہ، جب تو نے دنیا کے جابروں، فرعونوں، بادشاہوں اور دولت مندوں کی تعظیم کی اور اللہ عزوجل کو بھلا دیا اور اس کی تعظیم نہ کی تو بتوں کا بندہ قرار پائے گا، جس کی تو تعظیم کرے وہی تیرا بت ہے۔" [ص ۲۴۶]

علما، امرا، سلاطین، حکام، قاضی، مفتی، صوفیا، زہاد، عباد ہر طبقہ کے افراد کی اصلاح پیش نظر تھی اس لئے اپنی مجلسوں میں سب پر تنقید فرماتے اور اسی کے ساتھ مجمع عام کو خطاب کرتے ہوئے ہر فرد بشر پر حملہ آور ہوتے، اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

"یہ زمانہ ریا، نفاق اور ناحق مال بٹورنے کا ہے، اس میں اکثر وہ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج کرتے

ہیں اورزکوۃ دیتے ہیں، وہ نیکی کے کام مخلوق کے لئے کرتے ہیں نہ کہ خالق کے لئے، وہ لوگوں کے محترم بن گئے ہیں نہ کہ خالق کے تم سب قلوب کے لحاظ سے مردہ، نفس وخواہشات کے لحاظ سے زندہ، دنیا کے طالب ہو۔" [الفتح الربانی، ص ۱۲]

ایک مجلس میں آپ نے یوں خطاب کیا:

"تمہارے فرشتے تمہاری بے شرمی پر تعجب کرتے ہیں، اپنے احوال میں تمہارے جھوٹ کی کثرت پر تعجب کرتے ہیں، توحید میں تمہارے جھوٹ پر تعجب کرتے ہیں، تمہاری باتیں ہنگامی اور ارزانی یا پھر سلاطین دولت مندوں کے احوال پر ہوتی ہیں، فلاں نے یہ کھایا، فلاں نے یہ پہنا، فلاں نے شادی کی، فلاں امیر ہو گیا، فلاں غریب ہو گیا یہ سب ہوس، بغض اور مزا کی باتیں ہیں توبہ کرو، گناہوں کو ترک کر دو، غیر اللہ کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف لوٹ آؤ، اس کا ذکر کرو، اس کے غیر کو بھول جاؤ، میری بات پر ثابت قدمی ایمان کی علامت ہے اور اس سے فرار نفاق کی علامت ہے، اے وہ جو مجھ پر طعن کرتا ہے، آ! تا کہ ہم سب مل کر اپنی حالت شرع کے مطابق کریں جس کی حالت شبہ اور دولت کی طرف ہو جائے تو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر طعن کیا جائے تا کہ وہ یہ روش چھوڑ دے اور اللہ کے نام کے ساتھ فوت ہو، سامنے آ! لکڑی کی طرح بے حس نہ بن، مخنثوں کی طرح نہ بھاگ، یہ کوئی شے نہیں ہوس ہے اور غفلت۔" [ص ۲۴۱]

ماقبل میں ظہور غوثیت کبریٰ سے پہلے کے احوال بعض تفصیلات کے ساتھ گزر چکے ہیں، اس کے بعد سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اصلاحی تحریک چلائی ہے اور جس مشن کو لے کر اٹھے، اس پر چند سطور حوالۂ قلم ہوئے، اب اس کے نتائج بیان کئے جاتے ہیں۔

تاریخ میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ آپ کے مشن نے نئے انقلاب کی آمد کے لئے راستہ ہموار کیا، آپ کے تگ ودو اور جہد مسلسل کے سبب ماحول میں تبدیلی کے آثار ظاہر ہونے لگے، ایمان کی بہاریں آئیں، لوگوں کے دلوں میں خوف خدا و خشیت الٰہی پیدا ہوئی، اسلامی تہذیب و اقدار کا دور دورہ ہوا، حرص و ہوس کی جگہ پر توکل و استغنا کو پسند کیا جانے لگا، حرام خوری و ذخیرہ اندوزی کے بجائے قناعت و صبر اور انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوئے، ریا و نمود، طلب جاہ و مال کی جگہ خلوص وللّٰہیت پیدا ہوئی، ضروریات زندگی و مشاغل حیات کے ہر باب میں صفائی و شفافیت ظاہر ہونے لگی، جامعہ قادریہ اور آپ کے زیر نگرانی چلنے والے علمی و روحانی اداروں سے پیدا ہونے والے مخلص علماء حکومت و سلطنت، قضا و ولایت، فوجی قیادت، سپہ سالاری وغیرہ شعبوں میں اہم مناصب پر فائز ہونے لگے، آپ کی خانقاہوں کے تربیت یافتہ صوفیا اور مریدین انسانی معاشرہ کی اصلاح میں مصروف ہوئے، آپ کے وعظ و خطاب سن کر ہزار ہا ہزار لوگوں نے توبہ کی اور سیرت صحابہ کا نمونہ بن کر ایک طرف باوقار زندگی گزارے تو دوسری طرف فوجیوں کے دستہ میں شامل ہو کر صرف اور صرف رضائے الٰہی کے طلب و جستجو میں سرفروشانہ جہاد کے لئے کمر بستہ ہوئے، کرسی و اقتدار دین اسلام کے شیدائیوں کے ہاتھ آئی، نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی جیسے لوگ اپنی پرانی روش سے ثابت ہو کر عنان حکومت سنبھالی اور عالم اسلام کے غلبہ کا سبب بنے اور تاریخ کے اوراق میں اپنا عہدہ وامتیازی مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

کسی بھی معاشرہ کی تعمیر و تخریب میں سیاسی اہل کار، امرا اور حکام کی سیرت و کردار اور نظم سلطنت کا کچھ زیادہ ہی حصہ ہوتا ہے، اس لئے یہاں اس گوشے کو تھوڑی تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

۵۲۱ھ میں سیاسی افراد آپس میں دست بگریباں تھے، اسی درمیان سب سے ہٹ کر ایک نئی حکومت کی تشکیل عمل میں آئی، یعنی عمادالدین زنگی نے چند شہروں اور قصبوں کو ملا کر ایک چھوٹی سی مملکت کو وجود بخشا اور اس مملکت جدیدہ کو پروان چڑھانے میں لگ گیا، اور یہیں سے سلطنت زنگیہ کا آغاز ہوا، جب بعض سازشی افراد نے اسے شہید کر دیا تو اس کی جگہ پہ اس کا بیٹا نورالدین زنگی نے باگ ڈور سنبھالی، یہ خود بھی نیک تھا اور نیک لوگوں کو

پسند کرتا تھا، لہٰذا خالص اسلامی طرز فکر، اخلاص اور دین داری کو پیش نظر رکھا، اس کی سیاسی تدبر اور دینی حمیت و بیدار مغزی کے سبب مذہبی منافرت، مسلکی تعصب اور علاقائی تنگ نظری وغیرہ اوصاف قبیحہ سے خود بھی دور تھا اور دوسروں کو بھی اس سے دور رکھنے کی تحریک چلائی، باہمی معاونت کی فضا قائم کی، اسلام کی ترقی کا جذبہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کیا جس سے مملکت جدیدہ کو افرادی قوت حاصل ہونے میں تاخیر نہ ہوئی، اس باہمی تعاون کی وجہ سے علما، شیوخ اور مریدین مملکت جدیدہ کی طرف ہجرت کر کے آئے حتی کہ ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی اور ان ہی میں سے ہر ایک نے میدان شریعت میں نمایاں مقام حاصل کیا۔

[عہد ایوبی کی نسل نو ۲۲۶]

انتظامیہ کے قائدین کی اکثریت حران اور دمشق کے مدارس مثلا مدرسہ حیاۃ بن قیس حرانی اور مدرسہ بیانیہ سے فارغ التحصیل تھی، سیاسی وعسکری قائدین کی اکثریت موصل اور کوہ کار کے علاقوں سے فارغ التحصیل تھی جہاں شیخ عدی بن سافر نے مدرسہ عدویہ اور اس کی شاخیں قائم کی تھی، علمی قائدین میں اکثریت مشرقی مدارس مثلا جامعہ قادریہ، مدرسہ سہروردیہ اور ان کے شاخوں سے تعلق رکھتی تھی۔

[عہد ایوبی کی نسل نو ۲۳۱]

ڈاکٹر ماجد عرسان گیلانی رقمطراز ہیں:

''مدرسہ قادریہ کے شاگردوں کی ایک جماعت سیاسی میدان میں نورالدین پھر صلاح الدین کے ساتھ شریک کار رہی، ان میں سے بعض افراد نے نہایت اہم کردار ادا کیا ان میں سے اسعد بن اطبخا بھی ہیں، ایسے ہی علی بن برداون بن زید کندی ہیں اور حامد بن محمود حرانی ہیں جنہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر کی صحبت اختیار کی اور ان سے تعلیم حاصل کی تھی، تعلیم کی تکمیل کے بعد دمشق چلے اور سلطان نورالدین سے وابستہ ہوئے اسی طرح زین الدین علی بن ابراہیم دمشقی جو حضرت عبدالقادر جیلانی کی بارگاہ کے تربیت یافتہ تھے یہ بھی سلطنت زنگیہ سے وابستہ ہوئے۔'' [عہد ایوبی کی نسل نو، ۲۲۸]

نورالدین زنگی تو دیندار تھا ہی اس کے دست و بازو سلطان صلاح الدین ایوبی بھی صوفیا و علما کی برکتوں سے مالامال ہوا پھر اسلامی افواج میں روحانیت کی سحر پیدا ہوئی، لشکر و سپاہ نے صرف رضائے الٰہی کے لئے جنگ و جہاد کرنا اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا، مملکت جدیدہ کے ارکان و اعیان سلطنت کو عوامی مدد بھرپور حاصل تھی اس لئے اس میں وسعت ہوتی گئی اور یہ مملکت دمشق جنوب میں بیت المقدس کی صلیبی حکومت کی در تک پھیلتی چلی گئی، اب نورالدین اور اسکی حکومت کے درمیان وسیع میدان کا حامل تھا جو دونوں کو آمنے سامنے لانے میں حد فاصل کا کام دیتا تھا مصر میں علیحدگی پسند حکومت یعنی مملکت فاطمیہ سے مقابلہ ہوا اور وہاں بھی نورالدین نے جھنڈا لہرانے میں کامیابی حاصل کی، اس کے بعد صلیبیوں پر حملہ آور ہوتا رہا یہاں تک کہ پچاس سے زائد شہروں کو صلیبیوں سے واپس لینے میں کامیاب ہوا۔

ڈاکٹر ماجد عرسان الکیلانی رقمطراز ہیں:

''سلطان نورالدین نے بیت المقدس کی فتح کا ارادہ کیا اور مسجد اقصی کے لئے ایک نیا منبر تیار کرایا لیکن ۵۶۹ھ مطابق ۱۱۷۴ء میں اسے اس وقت موت نے آلیا جب وہ تیاریوں میں مصروف تھا، اب معاملہ اس کے عظیم ساتھی والئی مصر صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ میں آیا جوان مقاصد کے حصول میں اپنے طریق کار پر گامزن رہا۔

مسلمان صلاح الدین کی قیادت میں مختلف مقامات پر حملہ آور ہوتے رہے یہاں تک کہ جب مناسب وقت آیا تو وہ القدس کی جانب چل پڑے، اس لشکر اسلام میں تمام سالار، امرا، علما و فقہا اور صوفیا شامل تھے، ان میں موفق الدین بن قدامہ، ان کا بھائی محمد بن قدامہ اور ابن نجا الواعظ موجود تھے، یہ لوگ تمام فقہی مذاہب اور جماعتوں سے تعلق رکھتے تھے۔

مسلمانوں نے جنت اور سعادت کے شوق و جذبہ سے قابضین سے شدید جنگ کی، پھر وہ تکبیر اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے، تمام مجاہدین نے مسجد اقصی کا رخ کیا اور اسے قابضین کی جمع کردہ گندگیوں سے پاک کیا، پہلے جمعہ کے دن، مسجد نمازیوں سے بھر گئی اور رقت قلب

کے ساتھ آنسوؤں کا سیلاب امنڈ آیا، صلاح الدین نے ابن زکی الشافعی کو بلا کر خطبہ دینے کو کہا، انہوں نے ایک شاندار خطبہ دیا۔'' [عہد ایوبی کی نسل نو، ۲۶۴]

ابوشامہ نے اس کے خطبہ کو نقل کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:
''الحمد للہ! ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی، تعریف اللہ ہی کے لئے ہے، جو اسلام کو اپنی نصرت سے عزت بخشنے والا، مشرک کو اپنے قہر سے ذلت دینے والا، اپنے حکم سے معاملات چلانے والا اور اپنے منصوبوں سے کفر کو مبتلائے فریب کرنے والا ہے۔

پھر انہوں نے حاضرین کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر بیت المقدس کی فتح جیسے عظیم کام کو آسان بنا دیا جس کی شان بہت بلند ہے، انہوں نے اس کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا، وہ دو قبلوں میں سے پہلا قبلہ، دو مسجدوں میں سے دوسری مسجد اور دو حرموں کے بعد تیسرا حرم ہے، اسی طرف یوم محشر بپا ہوگا، یہی انبیا کا ٹھکانہ اور اولیا کی منزل ہے۔'' [الروضتین، حصہ ۲، ۷، ص ۱۰۹]

مملکت جدیدہ کے وجود میں آنے کے بعد کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں، حسب ذیل اقتباسات میں ملاحظہ کریں، ڈاکٹر حسین مونس لکھتے ہیں:

نور الدین نے ٹیکسوں کے معاملے میں بھی شرعی احکام کو پیش نظر رکھا، ان ٹیکسوں کی مقدار وقت کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ مصر میں فاطمی حکومت مال کی کل قیمت کا ۴۵؍ فیصد تک ٹیکس وصول کرتی تھی، ظالم حکام نے نئے نئے محصولات ایجاد کر لئے تھے اور عوام ان کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے تھے، اکثر تاجروں نے تنگ آ کر اپنا پیشہ چھوڑ دیا تھا، لوگوں نے اپنی دولت چھپالی تھی اور حکام کے ساتھ ان کا وقت بڑی مشکلات میں گزر رہا تھا، زمین پر خراج کی شرح اتنی بڑھ گئی کہ کاشتکار کے لئے کھانے کو کچھ نہ رہا، حقیقت یہ ہے کہ ان غیر شرعی ٹیکسوں کا بڑا حصہ حکام، وزراء اور محلات کے خاص لوگوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا تھا۔

نور الدین نے تمام غیر شرعی ٹیکسوں کو ختم کر دیا اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ عملی کاموں میں سر گرم ہو گئے، تاجروں نے اپنی دولت نکالی اور تجارت میں مصروف ہو گئے، ہر آدمی اپنا مال ظاہر کر دیا شرعی محصولات کی رقم اس آمدنی سے کئی گنا بڑھ گئی جو حرام ذرائع سے ہوتی تھی نور الدین نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ سے جہاد کی تیاری کی اور لاکھوں دینار خرچ کر کے تعمیراتی کاموں میں سر گرم عمل ہو گیا، اس کام میں اس کی مدد اس بات سے بھی ہوئی کہ اس کے ذاتی اخراجات کچھ نہ تھے، نہ محلات، نہ خدام، نہ شان و شوکت، نہ حفاظتی عملہ اور نہ ایسی مجالس جن میں خوشامدانہ اور احمقانہ شعروں پر مصاحبوں کے منھ جواہرات اور دیناروں سے بھر دیئے جاتے تھے، یہی وہ ذرائع ہیں جن پر اس سے پہلے اور بعد خلفا اور بادشاہوں کی دولت لٹتی تھی، اس شخص نے ٹیکسوں میں کمی کی اور جو کچھ اسے حاصل ہوا، اس سے جہاد کے لئے لشکر پر لشکر تیار کرتا رہا، اس کے علاوہ سینکڑوں مدارس، مساجد اور اسپتال قائم کئے، شہروں کی فصیلیں تعمیر کیں اور ہر قلعہ فوج، ذخائر اور خوراک سے پر کر دیا۔ [نور الدین محمود ۲۰۴]

سیاح کبیر ابن جبیر نے شام و مصر کی سیاحت کے دوران خود اس اقتصادی خوشحالی کا مشاہدہ کیا وہ حلب میں اس اقتصادی سر گرمی کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے، جہاں تک شہر کا تعلق ہے تو یہ موضوع بہت وسیع ہے، ترکیب میں عظیم، حسن میں نادر، نظم و ترتیل میں مستطیل اور وسیع بازار، ایک صنعت قطار کی صورت میں آگے جا کر دوسری صنعت کی قطار میں مل جاتی ہے یوں شہر میں ہر قسم کی صنعتوں کی فراوانی ہے، سب بازاروں میں لکڑی کی چھت ہے اور لوگ سایہ میں کام کر رہے ہیں، تمام بازاروں کا حسن آنکھوں کے لئے جاذب ہے جو کوئی جلدی میں بھی ہو اسے تعجب میں ڈال کر ٹھہرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

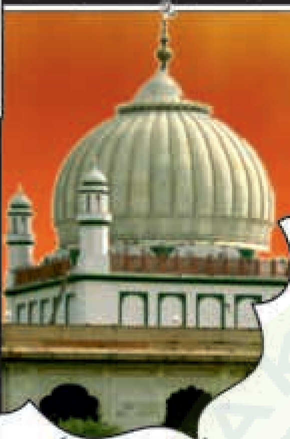
ہم نے موہ کا علاقہ دیکھا ہے، اس کی نواح میں زیتون، انجیر، پستہ اور دیگر پھلوں کے باغات ہر طرف پھیلے ہوئے تھے، ان باغات کو دیکھنے کے لئے دو دنوں کی مسافت درکار تھی، یہ سرسبز و شاداب اور کثیر آمدنی والی زمین اللہ تعالیٰ کی تھی۔ [الرحلہ ۲۲۶]

اس نو زائدہ مملکت اسلامیہ کی طرف لوگوں بقیہ ص ۳۶ پر

اسلاف و اخلاف

حضرت مجدد الف ثانی! حیات وخدمات

از: ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری*



امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۹۷۱ھ کو ہندوستان کے مشرقی پنجاب کے علاقہ سرہند میں پیدا ہوئے، آپ کے والد شیخ عبدالاحد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۰۰۷ھ/ ۱۵۹۷ء) اپنے وقت کے جلیل القدر عالم وعارف تھے، حضرت مجدد الف ثانی کا سلسلہ نسب ۲۹ رواسطوں سے امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے، آپ نے بیشتر علوم اپنے والد ماجد سے حاصل کیے، مولانا کمال الدین کشمیری مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشی وغیرہ سے علوم معقولہ ومنقولہ کی تحصیل فرمائی، اسارت قلعہ گوالیار کے زمانے میں قرآن حکیم بھی حفظ فرمایا تھا، تھانیسر کے شیخ سلطان تھانیسری کی صاحبزادی سے عقد مسنون ہوا جو کہ اکبر بادشاہ کے مقربین میں سے تھے، جس کی وجہ سے شاہی دربار سے ایک تعلق پیدا ہوگیا جو کہ تبلیغ وارشاد کا ذریعہ بنا، آپ برصغیر کے معروف بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۱۲ھ/ ۱۶۰۳ء) سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور ۱۰۰۸ھ میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے جبکہ سلسلہ چشتیہ میں والد شیخ عبدالاحد چشتی اور سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ کمال قادری کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت پہلے ہی حاصل تھا، آپ حضرت خواجہ باقی باللہ کے منظور نظر مریدوں میں تھے جس کی بدولت آسمان علم وعرفان پر آفتاب بن کر چمکے اور عہد اکبری کی تاریک فضاؤں کو نور ایمان سے روشن کردیا۔

آپ کی اصلاحی کوششوں کا آغاز اکبر بادشاہ کے عہد سے ہوا اور جہانگیر بادشاہ کی حکومت میں یہ کوششیں بارآور ہوئیں، اکبر بادشاہ نے جن مقاصد کے حصول کے لیے جدوجہد کی، ان کو تین نکات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(۱) ہندوؤں سے مفاہمت۔

(۲) قومی حکومت کا قیام۔

(۳) اور متحدہ ہندوستان۔

یہ تینوں مقاصد حضرت مجدد الف ثانی کے مقاصد جلیلہ کی ضد تھے، آپ نے ”اسلامی حکومت کے قیام، اسلامی ہند کی تعمیر وترقی اور ہندوؤں سے عدم مفاہمت“ کے لیے بھرپور جدوجہد کی، سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے اکبر نے ”دین الٰہی“ کے نام سے ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جس کا مقصد مسلمانوں اور ہندوؤں کو ملا کر ایک قوم بنانا تھا، اکبر کے اس ”ایک قومی نظریہ“ کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی نے ”دوقومی نظریہ“ کا اعلان فرمایا اور یہ بتایا کہ کفر واسلام دو علاحدہ چیزیں ہیں جو کسی طرح بھی یکجا نہیں ہوسکتیں، اس پاکیزہ نظریہ کی ترویج واشاعت کے لیے آپ نے بے شمار مکتوبات تحریر فرمائے جو کہ ”مکتوبات مجدد الف ثانی“ کے نام سے کتابی صورت میں شائع ہوگئے ہیں، یہ وہی دوقومی نظریہ تھا جس کی تجدید آگے چل کر حضرت امام احمد رضا قادری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے چودھویں صدی ہجری میں کی۔

ہندوستانی مسلم معاشرہ کی اصلاح اور ترقی کے لیے آپ نے جو کچھ کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، شریعت سے بیگانہ ہوجانے والوں کو اپنے علمی مکالمات اور مکتوبات کے ذریعہ آشنائے شریعت کیا، جو صوفیہ راہ طریقت کی حقیقت سے ناواقفیت کی بنا پر گمراہ ہوگئے تھے ان کو طریقت کا واقف کار بنایا ”نظریہ وحدۃ الوجود“ کی غلط تعبیرات کی وجہ سے لوگ گمراہ ہو رہے تھے آپ نے اس نظریہ کی لاج رکھتے ہوئے اس کے ساتھ ”نظریہ وحدۃ الشہود“ پیش

* مضمون نگار انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک ایجوکیشن، کراچی، پاکستان کے پرنسپل ہیں۔

فرمایا جو دل اور دماغ دونوں کے قریب تھا، یہی وہ نظریہ تھا جس نے شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال کی فکر میں انقلاب پیدا کیا ''نظریۂ وحدۃ الوجود'' کی غلط تعبیرات سے جو ہلاکت پھیل رہی تھی، حضرت مجدد الف ثانی کے ''تصور وحدۃ الشہود'' نے اس کا موثر دفاع کیا اور نا قابل فہم کو عام لوگوں کے لیے قابل فہم بنا دیا، جو فکر مسلم کی ہر سطح پر اصلاح کرتا ہوا ایک عظیم انقلاب کا سبب بنا، حضرت مجدد الف ثانی نے ظالم و جابر حاکم وقت کے غلط فیصلوں پر بروقت تنقید کی، حتیٰ کہ آپ کو قید و بند سے دو چار ہونا پڑا، اسارت قلعہ گوالیار اور پھر نظر بندی نے آپ کی اصلاحی کوششوں کے اثرات کو عوام اور حکومت وقت میں اور دیر پا مستحکم بنا دیا، آپ کی اسیری اسلامی نظام حکومت کے لیے رحمت بن گئی، آپ منزل مقصود کی جانب رواں دواں رہے اور عزیمت پسندی کی ایسی شاندار مثالیں قائم کیں جس سے مردہ دل زندہ ہو گئے اور ایک عظیم انقلاب آگیا، بادشاہ کے حضور سجدۂ تعظیمی ترک کر دیا گیا، شراب اور دیگر خرافات پر پابندی لگا دی گئی، گائے کی بند قربانی سر عام ہونے لگی، آپ کی انتھک کوششوں سے شعائر اسلام کا خوب فروغ ہوا اور سیاسی سطح پر اسلامی حکومت کا قیام ممکن ہو گیا، پھر جہانگیر بادشاہ کی تخت نشینی کے بعد آپ ہی کی کوششوں سے سلطنت میں امور مذہب و سیاست میں مشورہ کے لیے علما کا باقاعدہ کمیشن مقرر کر دیا گیا جو حکومت وقت کو احکام اسلامی سے بروقت خبر دار رکھتا تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی کے اصلاحی کارناموں کو بیان کرنے کے لیے طویل دفتر کی ضرورت ہے (ممتاز ماہر تعلیم و مؤرخ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے زیر سرپرستی ایک تین رکنی بورڈ جس میں راقم بھی شامل ہے، نے ۲۰۰۷ء میں ہزاروں صفحات پر مبنی پندرہ جلدوں پر مشتمل ''انسائیکلو پیڈیا جہان امام ربانی مجدد الف ثانی'' مرتب کیا ہے، جسے امام ربانی فاؤنڈیشن کراچی نے شائع کیا) حضرت مجدد الف ثانی پاک و ہند کے مصلحین میں ممتاز مقام رکھتے ہیں ان کی مومنانہ بصیرت نے چند برسوں میں خون کا ایک قطرہ بہے بغیر عظیم انقلاب برپا کر کے مسلمانان برصغیر کو مذہبی، سیاسی اور روحانی سطح پر استحکام بخشا۔

آپ کی مشہور تصانیف میں فارسی ''مکتوبات مجدد الف ثانی'' زیادہ مشہور ہوئے، ان کے عربی، اردو، ترکی اور انگریزی زبانوں میں تراجم بھی شائع ہو چکے ہیں جبکہ یہ تصانیف بھی آپ کی یادگار رہیں، اثبات النبوۃ، رسالہ در علم حدیث، رسالہ در مسئلہ وحدۃ الوجود، مبدا و معاد، مکاشفات غیبیہ/ عینیہ، معارف لدنیہ، رد الرفضہ، شرح رباعیات خواجہ بیرنگ، رسالہ تعیین ولا تعیین، رسالہ مقصود الصالحین، آداب المریدین اور رسالہ جذب و سلوک۔

مسلمان مصلحین کو بنظر تحقیق دیکھیں تو حضرت مجدد الف ثانی ہر طبقے میں اعلیٰ و ارفع نظر آئیں گے اور نہ صرف یہ بلکہ ہر صنف کمال میں اکمل ہونے کے ساتھ آپ بیک وقت ساری خوبیوں کے جامع بھی نظر آتے ہیں اسی بنا پر آپ کے سر پر ''تجدید الف ثانی'' کا تاج رکھا گیا ولایت میں ایک اونچا مقام ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب ہر صدی کے آغاز میں مجدد پیدا ہوئے اور انہوں نے تجدید دین کی خدمات انجام دیں لیکن جب ہم اُن کے حالات زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو واضح طور پر نظر آتا ہے کہ انہوں نے دین کے کسی خاص شعبے میں ہی تجدیدی کارنامے انجام دیئے لیکن ایسی جامعیت اور ہمہ گیری کہیں اور نظر نہیں آتی جو حضرت مجدد الف ثانی کی سیرت طیبہ میں ہے، اس حقیقت سے ''مُجدِد مِاۃ'' اور ''مجدد الف'' کا فرق روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

اس کے علاوہ یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ان مجددین کے بارے میں علما کا اختلاف پایا جاتا ہے، بعض علما جس ہستی کو ایک صدی کا مجدد قرار دیتے ہیں، دوسرے علما اسی صدی کا مجدد دوسری ہستی کو تسلیم کرتے ہیں لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مجدد ہونے پر سب اکابر اُمت، علما و اولیا اور سب اہل بصیرت متفق ہیں کسی دوسری ہستی کو آپ کے مقابل نہیں لایا گیا اور یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ قبائے تجدید آپ کے قامت اقدس پر کچھ ایسی موزوں ہوئی ہے کہ جب ''مجدد'' کہا جاتا ہے تو فوراً ذہن آپ کی طرف منعطف ہو جاتا ہے، کوئی دوسری شخصیت

ذہن میں نہیں آتی بلکہ اُمت مسلمہ آپ کو مجدد ہی کے لقب سے جانتی ہے، علامہ عبدالحکیم سیال کوٹی علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد کو "مجدد الف ثانی" کے خطاب سے یاد کیا تھا، یہ ایک ایسی واضح اور روشن حقیقت تھی کہ اس کی صدائے بازگشت عالم اسلام میں سنی گئی اور سب اعاظم واکابر نے آپ کو "مجدد الف ثانی" تسلیم کیا، ہر عہد میں اسی خطاب سے یاد کیا اور آپ کے تجدیدی کارناموں کا اعتراف کیا، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ حضرت مجدد کے ایک رسالہ کی شرح میں اُمت محمدیہ ﷺ پر جو آپ کے احسانات ہیں ان کی تفصیل لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"حضرت مجدد سے وہی شخص محبت رکھے گا جو مومن تقویٰ شعار ہوگا اور ان سے وہی بغض رکھے گا جو بدبخت فاجر اور شقاوت وثار ہوگا، آج جو مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں اور مدارس سے قال اللہ تعالیٰ وقال رسول اللہ ﷺ کی دل نواز صدائیں بلند ہورہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر وفکر ہو رہا ہے اور قلب وروح کی گہرائیوں سے جو اللہ کی یاد کی جاتی ہے یا لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بارِ منت ہے اگر حضرت مجدد اس الحاد وارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں، نہ مدارس دینیہ میں قرآن، حدیث فقہ اور باقی علوم دینیہ کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں سالکین وذاکرین اللہ، اللہ کے روح افزا ذکر سے زمزمہ سنج ہوتے الا ماشاء اللہ۔"

آج مسلمان جس طرح فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور اس سے جو واقعات رونما ہوا کرتے ہیں، سب جانتے ہیں، اس وقت ہمارے سامنے مختلف مکاتیب فکر ہیں ان میں سے بعض حضرت مجدد سے عقیدت ومحبت رکھتے ہیں، ان کی عظمت کے قائل ہیں، ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان ہیں اور ان کو اپنا امام ورہبر سمجھتے ہیں، مگر ؎

زبہر آمہ چوں شمع و چوں گل
گرفتہ جنگ بار پروانہ بلبل

یعنی اس چاند کیلئے پروانہ اور بلبل میں لڑائی ہورہی ہے، پروانہ کہتا ہے کہ وہ شمع ہے اس لیے میرا محبوب ہے اور بلبل کہتا ہے کہ وہ پھول ہے اس لیے جان ودل سے میں اس پر فدا ہوں۔

ان مکاتیب فکر کے اختلاف کی وجہ سے اسلام کو عالمی سطح پر عظیم نقصان پہنچ رہا ہے اس لیے کم ازکم وہ مکاتیب فکر جو حضرت مجدد کو اپنا رہنما تسلیم کرتے ہیں، وہ ہی آپ کی تعلیمات وہدایات کو سامنے رکھ کر متحد ومتفق ہوجائیں تو اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ اور دہشت گردی پر کافی قابو پایا جاسکتا ہے۔

حضرت مجدد طریقت کے چاروں سلسلوں سے فیض یاب ہوئے، گویا سلسلۂ مجددیہ کی مثال اس دریا کی سی ہے جس میں چاروں طرف سے نہریں آکر ملتی ہیں، اس دریا سے اگر کوئی چلو بھر پانی پی لیتا ہے تو اس نے حقیقت میں سب نہروں کا پانی پی لیا، اسی لیے سلسلۂ عالیہ مجددیہ کے متوسلین کو چاروں سلاسل کا فیض پہنچ رہا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ بڑا جہاد جابر حکمراں کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنا ہے، حضرت مجدد الف ثانی اس حدیث کی عملی تفسیر تھے، آپ نے دو جابر حکمرانوں کے سامنے حق کا پرچار کرکے احیائے اسلام اور تجدید دین کا اہم فریضہ سرانجام دیا، جس پر ملت اسلامیہ نے آپ کے "مجدد الف ثانی" ہونے کا اقرار کیا، آپ کی علمی اور روحانی فضیلت کو پاک وہند کے ہر مسلک وسلسلے کے اکابر علماء وصوفیہ نے مانا اور سراہا اور اپنی تصانیف میں جابجا آپ کے حوالے دیئے اور حضرت مجدد الف ثانی کے اقوال وارشادات سے استدلال کیا ہے، جن میں امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ جیسی ہستیاں بھی شامل ہیں، شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال جب حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضری کے لئے سرہند شریف پہنچے تو آپ کے روحانی اور عرفانی کمالات سے متاثر ہوکر ان اشعار میں اپنا خراج عقیدت پیش کیا ؎

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

بقیہ ص ۲۶ / پر

از: علامہ محمد رحمت اللہ صدیقی*

حضور مجاہد ملت کی حیات و خدمات پر روشنی ڈالتی ایک فکر انگیز تحریر

اُٹھ میرے دھوم مچانے والے

اسلاف کی حیات و خدمات، کردار و عمل اور ان کی یادوں کے بجھتے ہوئے چراغوں کی لو کو تیز کرنا ہر مومن کے دینی، ملی اور اخلاقی فریضے میں داخل ہے، اس لیے کہ بدعقیدگی، بدعملی اور بے راہ روی کے ماحول میں ان کی حیات کے تابندہ نقوش دم توڑتے جذبوں، ٹوٹتے حوصلوں اور منتشر خیالوں کو یقین و اعتماد کی منزل عطا کرتے ہیں، تاریخ پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے وہ اس بات سے خوب اچھی طرح واقف ہیں کہ جب جب تاریکی کے سائے گہرے ہوئے ہیں، آزاد خیالی کا طوفان اُٹھا ہے اور فکری آوارگی کے مہلک جراثیم نے صالح نظریات کو متأثر کرنے کی کوششیں کی ہیں تو حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ جیسی علم پرور، پاکباز، دین پرست اور تقویٰ شعار شخصیات کے پاکیزہ کارناموں سے پھسلتے قدموں کو استقامت کی دولت، یقین کا نور اور اُمید کا سویرا ملا ہے۔

حضور مجاہد ملت علم و عمل، عشق و عرفان اور ایمان و یقین کی اس منزل پر فائز تھے جہاں پہنچنے کی فکر میں بڑے بڑے صاحب فضل و کمال کے شاہین عقل کے بال و پر جلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، علوم و فنون کی کوئی ایسی شاخ نہیں، عشق و عرفان کی کوئی ایسی سرحد نہیں اور زہد و پارسائی کی کوئی ایسی منزل نہیں جہاں آپ نے اپنے وجودِ مسعود کا احساس نہ دلایا ہو، اگر آپ کی حیات کے سنہری اوراق اُلٹے جائیں، تاریخ کے دفاتر کھنگالے جائیں اور زمین کی وُسعتوں میں پھیلے ہوئے آپ کے نقوش یکجا کیے جائیں تو حکمت و دانائی کے درجنوں ابواب مرتب ہو سکتے ہیں، آپ کی کتاب حیات کا ہر ورق چاند کی چاندنی سے زیادہ صاف و شفّاف اور سورج کی طرح درخشاں و تابندہ ہے۔

حضور مجاہد ملت یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم کی عملی تفسیر تھے، حوادث سے اُلجھتے ہوئے مقاصد تک پہنچنا اُن کی فطرت تھی، ان کی ذات معمار سنیت بھی تھی اور شعار سنّت بھی، زمین پر بیٹھ کر افلاک کی وسعتوں میں ٹہلنا آپ کے معمولات میں داخل تھا، آپ کی ذات جماعت اہل سنّت کے لیے انعام الٰہی بھی تھی اور اسرار الٰہی بھی، آپ کو آپ کے عہد نے نہیں سمجھا، آپ کو آپ کا عہد سمجھ لیتا تو برصغیر میں آج مسلمانوں کی تاریخ مختلف ہوتی، جس طرح ماضی میں آپ کے نقوش پا مینارۂ نور تھے، اسی طرح آج بھی ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک مینارۂ نور بنے رہیں گے، آج کی قیادت آپ کے نقوشِ حیات کو رہنما بنا کر جماعتی مسائل کی بہت ساری پیچیدہ گتھیاں سلجھا سکتی ہے، آپ کی زندگی کے تمام تر نقوش روشن ہیں لیکن ان نقوش کو اپنی حیات کا حصہ بنانے کے لیے کوئی تیار نہیں ہوتا، آپ کی ذات تا حیات فانوس عشق و عرفان کی صورت میں روشن رہی، آپ نے جماعت اہلسنّت کو جو وقار و اعتبار بخشا ہے، اس کی کوئی دوسری مثال پیش کرنا بہت مشکل ہے، باطل قوتیں آپ کے وجود سے ہراساں رہا کرتی تھیں، بلا ضرورتِ شرعیہ کسی بھی باطل قوت سے اشتراک کے آپ سخت مخالف تھے، آپ کی شخصیت اپنے عہد میں کئی جہات سے ممتاز تھی، آپ کی شخصیت میں ملی درد کو مجسّم دیکھا جا سکتا ہے، ملک و ملت کے حوالے سے آپ کے جذبات و خیالات میں جو پاکیزگی تھی وہ اب کہیں نظر نہیں آتی، آپ کا علم، آپ کا عمل اور آپ کا عشق تقلیدی تھا، حرارت عشق آپ کو ہر وقت بے چین کیے رہتی تھی، یہی وجہ ہے کہ آپ کا بستر ہر وقت بندھا رہتا تھا، تا عمر آپ کی فقیرانہ زندگی کی دہلیز پر رئیسی سر پٹکتی رہی، دنیا کی بڑی سے

* مضمون نگار مجلہ پیغام رضا، ممبئی کے مدیر اعلیٰ ایک ممتاز اسلامی اسکالر ہیں۔

بڑی ظالم و جابر طاقت آپ کو کبھی مرعوب نہ کرسکی، آپ ظلم و جبر کی ہر کلائی مروڑ دیتے تھے، اپنے زمانے میں پوری دنیا میں آپ سے بڑا کوئی دوسرا مجاہد نہ تھا اور اب تک آپ کا کوئی مثل پیدا نہ ہوسکا ہے، جماعتی روایات کو آپ نے جو تحفظ فراہم کیا ہے اس کی مثال سے ماضی قریب کی تاریخ خالی ہے، آپ کی زندگی کا ہر تیور اس شعر کا آئینہ دار تھا کہ ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہے مَردوں کی شمشیریں

حضور مجاہد ملت جس زمانے میں پیدا ہوئے، وہ زمانہ مذہب و مسلک کے لیے بڑا پُر خطر، پُر آشوب اور نازک زمانہ تھا، مسلمان دینی، ملّی، صنعتی اور سیاسی اعتبار سے مایوسیوں کا شکار تھا، اسلامی اقدار و روایات کو کھلے عام نشانہ بنایا جارہا تھا، تقدیس الوہیت و رسالت کو شدید خطرات لاحق تھے، مسلمانوں کے دلوں سے چراغ عشق رسالت ﷺ کو بجھانے کی کوششیں جاری تھیں، محبوبانِ خدا سے بندگان خدا کے رشتوں کو ٹیڑھی نظروں سے دیکھا جارہا تھا، درس گاہوں اور خانقاہوں کا وقار داؤ پر لگا ہوا تھا، مسلمانوں سے ان کا تصلّب اور تشخص چھینا جارہا تھا، انھیں زندگی کے ہر شعبے میں بے دست و پا کرنے کی کوششیں تیز تھیں، ایسے پُر خطر ماحول میں آپ نے قوم مسلم کو آبرو مندانہ زندگی گزارنے کا حوصلہ بخشا اور باطل کی ہر سازش کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ بے نقاب فرمایا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے باطل قوتوں سے مقابلے کے لیے جو ہتھیار تیار کیے تھے حضور مجاہد ملت انھیں ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں اُترے اور باطل کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا، انھوں نے قوم مسلم کو بامقصد زندگی گزارنے کے طریقے بتائے اور زندگی کے ہر شعبے میں اپنے وجود کا احساس دلانے، حکومت وقت سے اپنے جائز مطالبات منوانے اور اجتماعی طور پر منظم رہنے کے لیے پُر زور تحریکیں چلائیں، مسلم مسائل کو اٹھانے کی بنیاد پر آپ ہمیشہ حکومت وقت کی نگاہوں میں کھٹکتے رہے، چونکہ آپ خود ایک بڑے اسٹیٹ کے مالک تھے، آپ کے ساتھ جماعت بھی تھی اور جمعیت بھی تھی، حکومتِ وقت کے ساتھ ساتھ دوسری اسلام مخالف تحریکات کو آپ کی طاقت و قوت کا خوب اندازہ تھا، پھر بھی آپ کو مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑا، قید و بند کی دل خراش صعوبتوں سے گزرنا پڑا، اس کے باوجود مصائب و آلام کے تیز و تند جھونکے آپ کے حوصلوں کے چراغ کو کبھی بجھا نہ سکے، آپ نے اپنے کارناموں سے اپنے عہد پر دیرپا اثرات چھوڑے ہیں، جب بھی کوئی مؤرخ آپ کے عہد کی تاریخ مرتب کرے گا تو آپ کے ذکر کے بغیر وہ تاریخ مکمل نہ سمجھی جائے گی، ملّی مفادات کے باب میں آپ کی بے لوث قربانیوں کی ایک طویل تاریخ ہے، جسے منظم طور پر ترتیب دینے کی ضرورت ہے، آپ ہی جیسی شخصیات پہ ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر چسپاں ہوتا ہے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضور مجاہد ملت کی ولادت ۸ر محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/ ۲۲ر مارچ ۱۹۰۴ء میں ہوئی اور وصال ۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ/ ۱۳ر مارچ ۱۹۸۱ء میں ہوا، آپ کی ۷۸ر سالہ زندگی سے ۲۸ر سال تعلیم و تربیت کے لیے نکال دیئے جائیں تو ۵۰ر سال بچ جاتے ہیں، یعنی آپ پورے ۵۰ر سال تک پورے ہوش و حواس کے ساتھ مذہب و مسلک اور قوم و ملّت کی خدمات انجام دیتے رہے، جب، جہاں، جیسی ضرورت پیش آئی آپ نے ملک و ملّت کے لیے خود کو پیش کیا، آپ کے وجود کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو دینی، ملّی، علمی اور سیاسی خدمات کے جذبے سے خالی ہو، بعض صوفیا کا فرمان ہے کہ جو سانس ذکر الٰہی سے خالی ہو کافر ہے، آپ کی حیات کا مطالعہ اس خیال کو اعتبار عطا کرتا ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ذکر و فکر سے خالی نہ تھا، آپ کے دینی، ملّی اور جماعتی درد کو اس بات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ جس شہر میں جاتے قیام کے لیے کسی مسجد کا انتخاب فرماتے، عقیدت مندوں کی جماعت یہ چاہتی کہ حضور کسی کے گھر پہ قیام کریں، عقیدت مندوں کو آپ جواب دیتے کہ گھر کے دروازے عموماً دس بجے رات میں بند ہوجاتے

ہیں لیکن خدا کے گھر کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں، ہماری ضرورت قوم کو نہ جانے کس وقت پیش آجائے، گھر میں قیام کرنے سے صاحب خانہ کو ہمارے لیے پوری پوری رات بیدار رہنا ہوگا اور یہ دقت طلب کام ہے۔ مسجد میں نہ آنے کی پابندی، نہ جانے کی پابندی۔ مصلحین اُمت کی تاریخ میں ایسی مثال بہت کم ملے گی۔ آپ کی اس طرزِ زندگی پر جس قدر غور کیجیے حیرانیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ اس حوالے سے بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنی دینی، ملّی، علمی اور سیاسی خدمات سے پورے عہد کو متاثر کیا اور آج جو بھی آپ کی حیات کا مطالعہ کرتا ہے، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، عہد حاضر کے مصلحین امت کے لیے آپ کی حیات کی ہر سانس مشعل راہ ہے۔

حضور مجاہد ملت کی زندگی کے مطالعہ کے دوران ایک قاری قدم قدم پر حیرت و استعجاب کا شکار ہوتا ہے کہ ایک رئیس وقت پہ فقیری کی تہیں اتنی گہری کیسے ہوگئیں؟ ان کی زندگی کی ہر سانس سے فقیری کی خوشبو پھوٹتی تھی، ان کے رئیسانہ تیور اس وقت دیکھنے کو ملتے تھے جب دینی و ملّی قدروں کے فروغ کی راہ میں پیسے حائل ہوتے، دینی روایات کی تبلیغ و ترویج کے لیے ان کے خزانے کا منہ ہر وقت کھلا رہتا، ان کی فقیری کی دہلیز پہ اہل ثروت کی ہر وقت بھیڑ لگی رہتی اور ہر شخص آپ کی جنبش لب کا منتظر ہوتا، لیکن آپ کی زبان کھلنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتی، بلکہ ہزاروں بے مایہ لوگ آپ کی دعاؤں سے دولت و ثروت کی کان کے مالک ہوگئے۔ فقیروں کی بارگاہوں میں ہر طرح کے لوگ حاضر ہوتے ہیں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق سب بامراد ہوتے ہیں۔ ان کے یہاں ذات، برادری اور قبیلہ کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ حضور مجاہد ملت کا بابِ کرم چوبیس گھنٹے کھلا رہتا۔ آپ کے کرم کی بارش میں نہانے والوں کی ایک طویل فہرست ہے، اس فہرست میں جماعت علما، جماعت فقہا، جماعت خطبا، جماعت مناظرین، جماعت محدثین، جماعت متکلمین، مناطقہ، فلاسفہ، جماعت طلبہ اور عوام سب نظر آتے ہیں۔ آپ کی درس گاہ علم میں تشنگانِ علوم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر وقت بھیڑ سی لگی رہتی، بلکہ آپ کے بعض تلامذہ کی درس گاہوں میں ہم نے علما کی جماعت کو زانوئے تلمذ تہ کیے ہوئے دیکھا ہے۔

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

”اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے میں فخر محسوس کرتا ہوں کہ اپنی زندگی کا ایک طویل حصّہ میں نے حضرت مجاہد ملت کی خدمت میں گزارا ہے، سفر و حضر میں ان کی ہمرکابی کا بارہا شرف حاصل ہوا ہے، خصوصیت کے ساتھ بارہ مناظروں میں ان کے ساتھ میں نے سفر کی سعادت حاصل کی ہے، جن میں سے آٹھ مقامات پر میں نے حضور مجاہد ملت کی صدارت میں کامیاب مناظرہ کیا ہے، یہ بالکل امر واقعہ ہے کہ مناظرہ کے اُصول و رُموز، بحث و استدلال کے ضابطے اور گفتگو کے قواعد و آداب کا جو سرمایہ بھی میرے پاس ہے وہ حضور مجاہد ملت ہی کا عطا کردہ ہے۔“

پاسبانِ ملت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

”ہماری عام درسگاہوں میں میر قطبی کے بعد ملّا حسن پڑھائی جاتی ہے لیکن علوم و معارف کے اس بحر ذخار نے جب درس گاہ سنبھالی تو ملّا حسن کی جگہ شرح مرقاۃ جیسی معریٰ کتاب کو جس پر ایک سطر کا حاشیہ تک نہیں، اسے داخلِ نصاب کیا اور اسی کتاب میں ملّا حسن، ملّا جلال، قاضی، حمد اللہ تک کے مباحث کو کھنگال دیتے، جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انھیں معقولات پر کس حد تک ید طولیٰ حاصل تھا۔“

حضور مجاہد ملت کے علمی تبحر کے حوالے سے پروفیسر شاہد اختر کا بیان ذیل میں ملاحظہ کریں:

”سرکار مجاہد ملت کی حیاتِ مبارکہ کا ایک بڑا حصہ چونکہ ملّی سربلندی اور سرفرازی کی کوششوں نیز بدعقیدگی کے خلاف گزرا، اس لیے لوگوں کو ان کے علمی تبحر کا کماحقہ اندازہ نہ ہو سکا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی تک مختلف علوم میں اپنے ہم عصر علما میں ممتاز حیثیت کے حامل تھے، معقولات پر ان کی دسترس کا یہ عالم تھا کہ ان کے زمانے کے بڑے بڑے عالم کو ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں

تھا، جس طرح میر نے ''نکات الشعراء'' میں اپنے عہد میں پونے تین شاعروں کا وجود تسلیم کیا تھا، بیسویں صدی کے معقولات کے ایک مستند عالم (صدر العلماء) مولانا غلام جیلانی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھیک اسی طرح اپنے عہد میں معقولات کے ڈھائی عالموں کا وجود تسلیم کیا تھا، بقول ان کے معقولات پر ان کے علاوہ پوری دسترس اگر کسی کو حاصل تھی تو وہ سرکار مجاہد ملت علیہ الرحمہ کی ذات تھی اور ان کے توسط سے ان کے شاگرد مولانا نظام الدین بلیاوی صاحب قبلہ شیخ الحدیث مدرسہ فیض العلوم کو نصف رسائی، سرکار محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی سرکار مجاہد ملت کے تبحر علمی کو اس طرح خراج تحسین پیش فرمایا تھا ''مجاہد ملت شاہ حبیب الرحمٰن علم کے بادشاہ ہیں۔'' [نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۴۷-۴۸]

حضور مجاہد ملت کا عہد علما و مشائخ کا عہد تھا، بڑی بڑی جامع علوم شخصیات ملک کے مختلف گوشوں میں موجود تھیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کی درس گاہ کی تربیت یافتہ شخصیات کا ایک الگ نوری کارواں تھا، تلمیذ اعلیٰ حضرت حضور صدر الشریعہ کے فیض یافتہ علما کی جماعت الگ تھی، صدر الشریعہ کے تلامذہ کی فہرست کافی طویل ہے، دوسری درسگاہوں کے سند یافتہ علما بھی کم نہ تھے، یعنی اہل علم وفن کی جماعت غیر منقسم ہندوستان کے ہر گوشے میں موجود تھی اور سب اپنی اپنی جگہ پر مصروف عمل تھے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے تلامذہ کے بعد علما کی جو جماعت نظر آتی ہے، ان میں حضور مجاہد ملت کی شخصیت مختلف جہات سے ممتاز نظر آتی ہے، اپنے معاصرین میں حضور مجاہد ملت کے امتیازات کی اگر فہرست تیار کی جائے تو خود ایک کتاب تیار ہو جائے، ذیل میں امتیازات کے چند نمایاں پہلو ملاحظہ کریں۔

حضور مجاہد ملت رئیس اعظم اڑیسہ تھے، یعنی اڑیسہ میں آپ سے بڑا کوئی رئیس نہ تھا، آپ کی ریاست روفیہ اسٹیٹ سے مشہور و معروف تھی، آپ کی دولت وثروت کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ سالانہ ۴۹ ہزار روپئے برٹش گورنمنٹ کو ٹیکس ادا کرتے تھے، اگر اس ۴۹ ہزار سے آج کی کرنسی خریدی جائے تو ایک کروڑ سے زائد رقم بنتی ہے، آپ کی ریاست ظلم و ناانصافی سے پاک تھی، آپ کے آبائے کرام بھی نرم دل، غریب پرور اور عدل پسند تھے، فقرا و مساکین کے لیے آپ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا، آپ کے دروازے سے کوئی سائل کبھی محروم نہیں لوٹتا تھا، بلکہ تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ مانگنے والوں کو حاجت سے سوا دیتے تھے، سائلوں میں تشنگان علوم بھی ہوتے تھے، مریضانِ عشق بھی ہوتے تھے اور طالبانِ دنیا بھی ہوتے تھے، ان کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے سائلوں کی زبان پر کبھی کوئی حرفِ شکوہ نہیں دیکھا گیا، وہ بھیک دیتے بھی تھے اور سنت نبوی کے مطابق منگتا کی بھلائی کی دعائیں بھی کرتے تھے، سائلوں کے حوالے سے ان کا حال کچھ یوں تھا ؎

آتا ہے فقیروں پہ انھیں پیار کچھ ایسا
خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

حضور مجاہد ملت رئیس ہی نہیں بلکہ رئیس اعظم تھے، آپ نے اپنی پوری ریاست کو دینی اقدار و روایات کے فروغ کے لیے وقف کر دیا تھا، آپ کی حیات کا اکثر حصہ ریل میں گزرا یا جیل میں، برٹش گورنمنٹ سے آپ محاذ آرا رہے اور برٹش گورنمنٹ کے بعد جو حکومت آئی اس کی بعض پالیسیوں سے بھی آپ متفق نہ تھے، آپ ہر اس پالیسی کے خلاف آواز بلند کرتے رہے جو سماج کے دبے کچلے لوگوں کے خلاف ہوتی، آپ کی صدائے احتجاج سے رائے عامہ منٹوں میں تبدیل ہو جایا کرتی تھی۔ نتیجے کے طور پر حکومت اور اس سے جڑے ہوئے لوگ اپنی پالیسیوں پہ نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔ آپ کا مذہبی اور سیاسی دونوں مقام بہت بلند تھا۔ آپ کی ذات، صورت و سیرت اور عمل و کردار کے اعتبار سے بھی بے مثال تھی۔ انکساری، مہمان نوازی، فیاضی، سخاوت، خوش مزاجی، صبر و شکر اور قول و فعل میں یکسانیت کے اعتبار سے بھی بے مثال و بے نظیر تھی۔ اسلامی زندگی جن عناصر سے تکمیل پاتی ہے وہ سارے عناصر آپ کی کتاب حیات میں بہتر طریقے سے دیکھے جا سکتے ہیں۔ آپ اخلاق نبوی

ﷺ کا محسوس پیکر تھے۔ آپ کے عشق رسول ﷺ کے حوالے سے شمس العلماء حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام لکھتے ہیں:

''عشق حقیقی کے استغراق میں مجاہد ملت ہر آن یہی چاہتے تھے کہ مدینہ منورہ کی سرزمین ہو اور میں ہوں، بصورت آزادی یا بصورت قید مواقع پر ہر گز نگاہ نہیں رہتی تھی، کیوں کہ وہ اس کو میدان عشق کا فرضِ اولین سمجھتے تھے، جب حاضری ہوتی تو وہاں کے خس وخاشاک کو بوسہ دیتے، زمین کے چپہ چپہ کو چوم لیا کرتے تھے جب دریافت کیا جاتا یہ کیا؟ تو فرماتے کہ میرے سرکار کا اس مقام پر کبھی قدمِ ناز پڑا ہو۔''

[نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۲۲]

حضور مجاہد ملت کی پتلیوں میں جمال گنبد خضریٰ منقش تھا، انھیں یہ اعزاز کٹھن ریاضت کے بعد ہی ملا تھا، انھیں یہ مقام حاصل تھا کہ ہند میں بیٹھ کر گنبد خضریٰ کی زیارت سے خود کو شاد کام کیا کرتے تھے، ان کا عشق جنوں کی سرحدوں میں داخل ہو چکا تھا، ان کی جلوت وخلوت میں ہر وقت نغمات رضا کی دھوم رہا کرتی تھی، جب ہند کا یہ عالم ہے تو دیار محبوب میں آپ کی وارفتگی کا کیا حال رہتا ہوگا، اس کیفیت کی تصویر لفظوں میں اتارنا بہت مشکل ہے، شاہدین کا بیان ہے کہ آپ ذرات مدینہ کو اپنی آنکھوں سے بوسے دیتے اور آپ کی زبان پر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کے اس طرح اشعار ہوتے ؎

اے خارِ طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آ کہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو

کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص
یوسفستاں ہے ہر اک گوشۂ کنعانِ عرب

کنارِ خاکِ مدینہ میں راحتیں ملتیں
دل حزیں تجھے اشکِ چکیدہ ہونا تھا

حضرت مولانا عبد الکریم نعیمی لکھتے ہیں:

''محبت کا تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ محبوب کے تعلق داروں سے بھی محبت کرے، چنانچہ آپ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوستوں اور تعلق داروں سے اُلفت ومحبت کی، محبوب خدا کے دشمنوں سے دشمنی بحال رکھی، صحابۂ کرام، ازواج مطہرات، اہل بیت آلِ رسول اور اولیائے کرام کو جان ودل سے محبوب رکھا، کافروں، منافقوں اور تمام بدمذہبوں سے کلیۃً کلیۃً نفرت وعداوت تھی، محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق واشتیاق بکثرت رکھتے تھے، شاہِ بطحا کی یاد اور ذکر پاک سے ہمیشہ رطب اللسان رہتے، سوتے میں یاد تھی، جاگتے میں یاد تھی، چلتے پھرتے میں یاد تھی، ہر حالت میں دل سے، زبان ذکر محبوب سے اپنے کو گرمایا کرتے، ذکر محبوبِ خدا کی فراوانی کے ساتھ ساتھ تعظیم وتوقیر سرور دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں ادب واحترام کے لیے آپ کی پوری زندگی وقف تھی، اپنے قول وفعل اور حال سے اس امتحان میں پوری طرح کامیاب تھے، آپ کی چشمان مبارک محبوبِ خدا کے حسن وجمال میں مستغرق رہتی، آپ کے کانِ مبارک محبوب کے ذکر ومدح اور ان کے کلام کے علاوہ ہر کلام سے بہرہ رہتا۔''

[نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۲۱۲]

پروفیسر شاہد اختر لکھتے ہیں:

''عشق کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ عاشق معشوق کی ایک ایک ادا پر جان نثار کرنے کی تڑپ اپنے اندر رکھے اور معشوق کے تصور سے ہی وصال کی لذتوں میں ڈوب جایا کرے، سرکار مجاہد ملت کے عشق کا یہ عالم تھا کہ اپنی زندگی کے معمولات میں وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اداؤں کی پیروی کرتے اور نام نامی اسم گرامی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آتے ہی تصورِ معشوق میں ڈوب کر مضطرب ہو جاتے، آنکھیں آنسو برسانے لگتیں، سرکار آسی رحمۃ اللہ علیہ نے عشق کی ایک کیفیت یوں پیش کی ہے ؎

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

سرکار مجاہد ملت عشق کی اسی کیفیت میں سرشار تھے، جہاں موت بھی اس لیے لذت آگیں تھی کہ اس گل سے ملاقات کی سبیل

ثابت ہوگی، شروع میں شعلہ بار تقریر فرمایا کرتے تھے مگر بعد میں یہ حالت ہوگئی کہ تقریر کر ہی نہیں پاتے، دو چار جملوں کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر آیا اور رقت طاری ہوگئی، آواز رندھ گئی، آنسو جاری ہو گئے۔

اگست ۱۹۸۰ء میں سرکار مجاہد ملت کی تشریف آوری اپنے علاقے میں ہوئی، فقیر کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ ہوڑہ جا کر سرکار کو اپنے یہاں لاؤں، ایک دن پہلے فقیر ہوڑہ پہنچا، ٹکیہ پاڑہ سے باؤڑیا، باؤڑیا میں شب گزاری، پھر ٹکیہ پاڑہ اور ٹکیہ پاڑہ سے شیب پور شیب پور پتہ چلا کہ سرکار تیلنی پاڑہ تشریف لے جا چکے ہیں، جان میں جان آئی، گھر آیا تو پتہ چلا کہ سرکار غسل فرما رہے ہیں، غسل سے فراغت ہوئی تو کمترین نے قدم بوسی کی، سرکار نے پوچھا کہ تلاش میں زحمت تو ہوئی ہوگی، کمترین نے کہا، سرکار زحمت تو کیا ہوئی، ہاں جب ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑ رہا تھا، وحشت کلکتوی کا یہ شعر زبان پہ جاری تھا ؎

ہے ارزاں اس قدر دیدار جاناں ہم نہ مانیں گے
زلیخا کیا سنائی ہے خیال اس کا ہے خواب اس کا

شعر کا سننا تھا کہ چہرہ متغیر ہوگیا، بار بار ''ہے ارزاں اس قدر دیدار جاناں ہم نہ مانیں گے'' کہتے اور آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی، کمترین نے اپنے عشق کی بات کی تھی، سرکار مجاہد ملت اپنے معشوق کے تصور میں ڈوب گئے۔''

[نوائے حبیب، مجاہد ملت نمبر، ص ۶۷، ۶۸]

حضور مجاہد ملت کی پوری زندگی مذہبی درد سے عبارت تھی، بلکہ اگر کوئی مذہبی درد کو مجسم دیکھنا چاہے تو حضور مجاہد ملت کو دیکھ سکتا ہے، آپ نے مذہبی قدروں کے فروغ میں جو قربانیاں پیش کی ہیں، اس کے بیان کے لیے لغات میں الفاظ نہیں ملتے، گود سے گور تک کا کوئی لمحہ آپ کا خدمت دین متین سے خالی نہیں ملتا، آپ کی زندگی کی ہر سانس سے اتباع شریعت کی خوشبو پھوٹتی ہے۔

آپ کی دینی، ملی اور علمی زندگی کا انتہائی حسین نقشہ حضرت علامہ اسلم بستوی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ یوں کھینچا ہے:

''وہ مجاہد ملت! جو رات کے زاہد اور دن کے مجاہد تھے، وہ مجاہد ملت! جو اسوۂ صدیقی و فاروقی کا عملی نمونہ تھے، وہ مجاہد ملت! جو سنّت عثمانی کی شان استغنا تھے، وہ مجاہد ملت! جو ضرب ید اللٰہی کے پَرتو تھے، وہ مجاہد ملت! جو سنّت عشق بلالی کے پیکر تھے، وہ مجاہد ملت! جو آبروئے ملت تھے، وہ مجاہد ملت! جو مذہب و وطن کے وفادار تھے، وہ مجاہد ملت! جو قوم و ملت کے قافلہ سالار تھے، وہ مجاہد ملت! جو تصوف کے امام اور صوفیوں کے سردار تھے، وہ مجاہد ملت! جو علم کا پہاڑ تھے، وہ مجاہد ملت! جو پیکر حلم و مروّت تھے، وہ مجاہد ملت! جو محبت کا دریا اور پیار کا سمندر تھے، وہ مجاہد ملت! جن کے عشق رسالت پناہی نے نجدی حکومت کے در و بام کو ہلا دیا، وہ مجاہد ملت! جن سے دنیائے وہابیت لرزہ براندام تھی، وہ مجاہد ملت! جو بجائے خود ایک تحریک تھے، اس عہد کم ہی میں نشان منزل تھے، اس دور تاریکی میں ایک ''مینارۂ نور'' اور ایک تیز طرار قسم کی روشنی تھے، مگر آہ وہ ''مینارۂ نور'' ہم سے روپوش ہوگیا اور وہ روشنی ہم سے چھپ گئی۔ [ماہ نامہ اشرفیہ، مجاہد ملت نمبر، ص ۱۴۳، ۱۴۴]

حضور مجاہد ملت کی زندگی کے دو مضبوط پلیٹ فارم تھے، ایک مذہبی، دوسرا سیاسی، چونکہ آپ کے عہد میں مسلمان مذہبی اور سیاسی دونوں اعتبار سے زوال کا شکار تھا، ملک کی دوسری قومیں مسلمانوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں بے دست و پا کر دینا چاہتی تھیں، انھیں یہ خطرہ تھا کہ اگر مسلمان سیاسی، سماجی اور معاشی طور پر خود کفیل ہوں گے تو ان سے نمٹنا بہت مشکل ہوگا اور آج بھی حکومتی سطح پر یہی کوشش جاری ہے بلکہ آج مسلمانوں کے حالات کل سے بدتر ہیں اور آنے والا وقت اور بھی بُرا ہوگا، آج حکومت اپنے مشن پر پورے طور پر کامیاب ہو چکی ہے، حکومت کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں ہے جس میں مسلمانوں کی موثر نمائندگی ہو، کل حضور مجاہد ملت جیسی مستحکم قیادت مسلمانوں میں موجود تھی، آج مسلمانوں میں کوئی مجاہد ملت نہیں، حضور مجاہد ملت کو حکومت کی بدنگاہی کا خوب احساس تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ نے مسلمانوں میں جنونِ عشق کو تیز کرنے کی تاحیات جدوجہد رکھی، آپ کو اعلیٰ حضرت نے اپنا مشن سونپا تھا، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا

بقیہ ص ۲۹ پر

از: مولانا محمد خورشید عالم رضوی*

اپنے درمیان قادیانیوں کو پہچانیے

نقد و نظر

اس وقت پورا پاکستان قادیانیوں کی فتنہ گری کا شکار ہے، بے گناہ عاشقان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گولیاں برسائی جارہی ہیں، امت مصطفیٰ ''ناموس رسالت'' کی حفاظت کی خاطر سڑکوں پر اپنے شب وروز گزارنے پر مجبور ہے، طاقت وحکومت کے نشے میں چور ارباب اقتدار اپنے ایمان واسلام کا سودا کرنے میں لگے ہیں، جس کا فائدہ اٹھا کر یہ آستین کے سانپ حکومت کے اعلیٰ عہدوں تک پہنچ چکے ہیں اور حق پرستوں کے ہاتھوں باطل کے لئے حفاظتی حصار کھینچ رہے ہیں، ایسے پرفتن دور میں قوم کے لئے ان ''گندم نما جوفروشوں'' کی صحیح پہچان ضروری ہے، زیر نظر مضمون پاکستان میں قادیانیوں کی آئینی حیثیت واضح کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان کی مذہبی فریب کاریوں اور مکاریوں کا پردہ بھی چاک کرتا ہے، جس کا مطالعہ قارئین کے لئے یقیناً فائدہ مند ثابت ہوگا اور وہ اپنے معاشرے میں موجود قادیانیوں کو پہچان کر اپنے ایمان واسلام کی حفاظت کرسکیں گے۔ [فاروقی]

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے آقاؤں کے اشارے پر دعویٰ نبوت کرکے قوم وملت میں تفریق وانتشار کی جو بیج بوئی تھی، اس کی آبیاری آج بھی اس کے پیروکار کررہے ہیں۔

دھیان رہے کہ ۱۹۷۴ء کی پاکستان کی آئینی ترمیم اور بعد ازاں ۱۹۸۴ء کے امتناع قادیانیت قانونی ایکٹ کی شق ۲۹۸/اے، ۲۹۸/بی اور ۲۹۸/سی کے تحت قادیانی نہ صرف کافر ہیں بلکہ دھوکہ دے کر خود کو مسلمان ثابت کرنے کے لیے اگر ''شعائر اسلام'' کا استعمال کریں گے تو ان کے لئے ۳/سال قید کی سزا بھی پاکستانی قانون میں موجود ہے۔

ذیل میں کچھ ایسی نشانیاں بیان کی جارہی ہیں جن کا استعمال کرکے وہ اکثر وبیشتر مسلمانوں کے ایمان کو برباد کرتے ہیں:

(۱) مسلمانوں سے گپ شپ کرنے کے بہانے قادیانی اپنی شناخت ظاہر کئے بغیر بات کا رخ مذہبی امور کی طرف موڑ دیتا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ عقائد رکھنا اسلام اور قرآن کے خلاف ہی نہیں کفر بھی ہے کہ:

اللہ رب العزت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اٹھالیا ہے اور کافران کو صلیب نہیں دے سکے اور وہ قرب قیامت دنیا میں واپس آئیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔

قادیانی یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کو صلیب پر چڑھادیا گیا لیکن وہ زخمی حالت میں فلسطین سے کشمیر ہجرت کرگئے، وہاں ۱۲۰/سال کی عمر میں ان کو موت آئی۔

صحیح احادیث میں یہ جو مذکور ہے کہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ ابن مریم دنیا میں نازل ہوں گے، اس سے مراد یہ ہے کہ اس امت میں سے ہی کسی مثیل عیسیٰ کو پیدا ہو کر مسیح ابن مریم اور امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرنا ہے۔

قرآن میں جہاں حضرت عیسیٰ ابن مریم کے متعلق ''توفی'' کا لفظ موجود ہے، اس سے مراد ان کی موت ہے، حالانکہ عربی جاننے والے یہ بخوبی سمجھتے ہے کہ ''توفی'' کا مطلب کسی چیز کو پورا پورا قبض کرنا یا 'پورا پورا لے لینا'' ہوتا ہے اور چونکہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مکمل توفی کرلی، یعنی جسم، شعور اور روح سمیت آسمان پر اٹھالیا اس لئے قرآن میں ان کی ''توفی'' کا بیان ہے اور احادیث میں ان کے قیامت سے قبل نزول کا بیان اس ''توفی'' کی تصدیق کرتا ہے۔

(۲) علمائے دین سے شدید متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو تمام برائیوں کی جڑ بتاتے ہوئے ''ملا یا مولوی'' کے نام سے پکارتے ہیں، فرقہ واریت اور کفر کے فتوؤں پر بات کرنے کے بہانے موضوع کو ''جماعت احمدیہ'' کی طرف لے جاتے ہیں اور

* مرتب مضمون جامعۃ الزہرا مخدوم سرائے، سیوان، بہار کے آفس انچارج ہیں۔

یہ جتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جس طرح مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کو کافر قرار دیتے ہیں، ویسے ہی انہوں نے ''قادیانیوں'' کو بھی اپنے آپس کے اختلاف کے تحت کافر قرار دے دیا ہے، حالانکہ امت مسلمہ کے تمام مسالک بالاجماع ایک دوسرے کو کافر قرار نہیں دیتے اور فقہ کے چاروں ائمہ امام احمد بن حنبل، امام شافعی، امام مالک اور امام اعظم ابوحنیفہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی نے دوسرے فقہ کے ماننے والے کو کافر یا اسلام سے خارج قرار نہیں دیا۔

عقیدۂ ختم نبوت کے معاملے میں تمام امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ حضور ﷺ کے بعد پیدا ہونے والا ہر مدعی نبوت اور اس کے پیروکار کافر اور اسلام سے خارج ہیں حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جس کسی نے حضور ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت سے اس کی صداقت کا ثبوت طلب کیا کسی تردد کے ساتھ تو وہ خود بھی اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

(۳) قادیانی چاندی کی خاص قسم کی انگوٹھی پہنتے ہیں، اکثر لاعلم مسلمانوں کے سامنے یا وہاں جہاں ان کو اس بات کا یقین ہو کہ کوئی ان کو پہچان نہیں پائے گا، وہ انگوٹھی جس پر قرآن کی یہ آیت ''اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ یعنی کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟'' لکھی ہوتی ہے، مرزا قادیانی کی سنت کے طور پر پہنتے ہیں کیوں کہ مرزا قادیانی بھی ایسی انگوٹھی پہنا کرتا تھا۔

(۴) قادیانیوں میں ان کے خلیفہ کی مکمل داڑھی ہوتی ہے، وہ شعائر اسلام کی مکمل پابندی کرتا ہے تا کہ عام مسلمانوں کو دھوکہ دے سکے ورنہ مسلمانوں سے نفرت کے سبب قادیانیوں کی تو کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہر اس ظاہری وضع قطع اور شعار و نقل سے بچیں جسے ہمارے علمائے کرام یا ایک نیک مسلمان اپناتا ہے، ویسے تو قادیانی آپ کو ۹۹ رفیصد فرنچ کٹ داڑھی میں ملے گا یا پھر کلین شیو۔

ان کے یہاں غیر اعلانیہ حکم کے طور پر کوئی جماعت احمدیہ کا عہدے دار موجودہ خلیفہ سے لمبی اور گھنی داڑھی نہیں رکھ سکتا، اس لئے کبھی سالانہ قادیانی جلسے کے موقع پر بھی ہزاروں قادیانیوں کے بیچ کوئی قادیانی اپنے خلیفہ جیسی، اس کے برابر یا اس سے لمبی داڑھی والا نظر نہیں آئے گا۔

اگر آپ گوگل میں رومن اردو میں ''جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ'' لکھ کر سرچ کریں گے تو اس بات کی تصدیق ہو جائے گی۔

(۵) قادیانی کبھی مسلمانوں کی طرح مخصوص نماز والی گول ٹوپی نہیں پہنتے، وہ یا تو پٹھانوں کی مخصوص ٹوپی پہنے نظر آئیں گے یا پھر سندھی ٹوپی یا جناح کیپ۔

اس حوالے سے ہم ایک ایسی بات جو کوئی قادیانی آپ کو نہیں بتائے گا، بتاتے ہیں کہ قادیانی جماعت میں ان کے مرتبے یا رتبے کے لحاظ سے سر ڈھانپنے کا رواج ہے، مردوں میں ان کا خلیفہ شملہ والی پگڑی پہنتا ہے اور اس کے علاوہ کسی قادیانی کو اس کی موجودگی میں پگڑی پہننے کی اجازت نہیں ہوتی۔

خلیفہ کے بعد جو اس سے نچلے درجے کے عہدے دار ہیں وہ جناح کیپ کا استعمال کرتے ہیں، پینٹ کوٹ یا شلوار قمیص و شیروانی کے ساتھ پھر ان سے نچلے درجے کے عام قادیانی پٹھانوں کی مخصوص ٹوپی پہنتے ہیں یا پھر سندھی ٹوپی میں نظر آتے ہیں۔

(۶) قادیانی عورتوں کو پہچاننا تو اور بھی آسان ہے، یہ بھی اپنے قادیانی مردوں کی طرح مسلمان عورتوں کی ضد میں ڈھیلے ڈھالے برقع کے بجائے عمومی طور پر ٹائٹ برقع پہنتی ہیں، جس کی کمر پر اکثر بیلٹ بھی لگی ہوتی ہے تا کہ برقع کی فٹنگ اچھی آئے، اس کے علاوہ ان کے برقع میں ایک لمبی چاک بھی ہوتی ہے اور ان کے نقاب کا طریقہ بھی نرالا ہوتا ہے جس میں نقاب ناک کے نیچے رکھا ہوتا ہے، ہونٹوں کے اوپر ڈھلکا ہوا، جس سے سوائے لب و رخسار کے سب نظر آتا ہے جو ''صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں'' کا منظر پیش کرتا ہے، جسے مسلمان مردوں کو لبھانے کے لئے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

(۷) قادیانیوں کا ٹی وی چینل ایم ٹی اے (مسلم ٹی وی احمدیہ) کے نام سے ۲۴ رگھنٹے اپنا پروگرام نشر کرتا ہے، جس پر یہ اپنے مذموم کفریہ عقیدے کی کھلم کھلا تبلیغ کرتے ہیں اور دجل پر مبنی تعلیم کو ''اسلام احمدیت'' یعنی احمدیت ہی اصل اسلام بقیہ ص ۲۹ رپر



جماعت رضائے مصطفیٰ کی صد سالہ تاریخ اور اس کے زرّین کاناموں کی ایک مختصر روداد

جماعت رضائے مصطفیٰ! کل اور آج

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی رضی اللہ عنہ نے ۷؍ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۷؍دسمبر ۱۹۲۰ء کو مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انقلابی مشن کی ترویج و اشاعت، مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کے تحفظ اور سماجی، اقتصادی واخلاقی زبوں حالی سے دوچار امت مسلمہ کی نصرت و حمایت کے لئے ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کا قیام فرمایا، یہ جماعت ایک عالمی تحریک ہے جو شریعت اسلامیہ کی پاسداری و پاسبانی کی حامی وناصر ہے، کرۂ ارض پر آباد اہل سنت وجماعت کی مبلغ وترجمان ہے، جن کی موجودہ پہچان برصغیر ہند وپاک میں مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔

جماعت رضائے مصطفیٰ کی سرکردہ شخصیات

حضرت علامہ شاہ سید اسماعیل حسن میاں قادری برکاتی مارہرہ مطہرہ، تاج العلماء علامہ سید محمد میاں قادری مارہرہ مطہرہ، حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری بریلوی، مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری بریلوی، صدر الأفاضل علامہ سید نعیم الدین قادری مرادآبادی، صدر الشریعہ علامہ امجد علی رضوی اعظمی، شیر بیشہ اہل سنّت علامہ حشمت علی خان قادری لکھنوی، عید الاسلام علامہ مفتی شاہ محمد عبد السلام رضوی جبل پوری، ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین رضوی بہاری، صدر العلماء علامہ رحم الٰہی منگلوری، علامہ محمود جان رضوی جام جودھ پوری، استاذ العلماء علامہ حسنین رضا خان قادری بریلوی، برہان ملت علامہ مفتی برہان الحق رضوی جبل پوری وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

جماعت کے موجودہ سرپرست قاضی القضاۃ فی الہند، تاج الشریعہ، حضرت علامہ الحاج الشاہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری أدام اللہ فیوضہ علینا وعلی المسلمین، جبکہ اس کے قومی صدر شہزادہ حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مولانا محمد عسجد رضا خان قادری دام ظلہ العالی ہیں۔

اغراض ومقاصد

(۱) اسلامی تعلیمات کو عام کرنا، قرآن وسنت پر مشتمل دعوتی اور تبلیغی مواد قوم تک پہنچانا۔

(۲) اعدائے دین ومعاندین اہل سنت کی تحریر وتقریر اور ہر ممکن ذرائع سے سرکوبی کرنا۔

(۳) گمراہ فرقوں اور نام نہاد خود ساختہ سنیوں کی تخریب کاریوں اور فریب کاریوں کا پردہ چاک کرنا۔

(۴) علماء اہل سنت بالخصوص امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی قدس سرہ کی تصنیفات عصری پیرایہ میں شائع کرنا۔

(۵) امت مسلمہ کی مذہبی، سماجی، معاشی واخلاقی کی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے مضبوط لائحہ عمل تیار کرنا۔

(۶) اہل اسلام بالخصوص وابستگان سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ میں باہم اتفاق واتحاد اور محبت وودادکی فضا قائم کرنا۔

جماعت رضائے مصطفیٰ کی نمایاں خدمات

جماعت رضائے مصطفیٰ کی خدمات جلیلہ کی طویل فہرست ہے، جماعت کے پلیٹ فارم سے وہ عظیم کارنامے انجام دئیے گئے جن کی بروقت اہلسنت کو ضرورت تھی، جب شعائر اسلام پر پابندی کی کوشش کی گئی تو جماعت کے ذمہ داران حضرات نے قوم کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے میدان میں قدم رکھا، آزادی ہند کے موقع پر رام راج کے قیام کا نعرہ لگا تو جماعت نے آگے بڑھ کر اسلامیان ہند کے ایمان کی حفاظت کی ''شدھی تحریک'' کے نتیجے میں ایمان کی کھو چکے لوگوں کو دوبارہ مسلمان کیا، جماعت کی اشاعتی خدمات بھی قابل قدر ہیں، سیکڑوں کی تعداد میں بقیہ ص ۵۸ پر

٭ مضمون نگار جماعت رضائے مصطفیٰ ہیڈ آفس بریلی شریف میں شعبۂ تحقیق وترجمہ صدر ہیں۔

جشن صد سالہ عرس رضوی کی تیاری

جشن صد سالہ کے اہتمام کی طرف عملی پیش قدمی ۱۴۴۰ھ کو امام اہل سنت کے حوالے سے یادگار صدی بنانے کے لئے ۱۸ر دسمبر ۲۰۱۷ء کو صبح ۱۰ر تا ۱ر بجے شہر گیا بہار میں ''البرکات فاؤنڈیشن'' گیا اور دو ماہی رضائے مدینہ جمشید پور کی مشترکہ کوششوں سے خطیب اہل سنت حضرت علامہ مولانا سید محمد اقبال حسنی راقم الحروف عبد المالک مصباحی ڈائرکٹر رضا فاؤنڈیشن و خطیب مدینہ مسجد آزاد نگر جمشید پور جھارکھنڈ نیز مفکر ملت حضرت علامہ مولانا مفتی مظفر حسین رضوی مہتمم دار العلوم غریب نواز روپن فتح پور گیا بہار کی پر خلوص دعوت پر ملک کے مایہ ناز اور شہرہ آفاق قلم کاروں، ادیبوں، شاعروں، دانشوروں، مفکروں اور جاں سوزوں کی ایک گراں قدر اور معنی خیز نشست منعقد ہوئی جس میں امام اہل سنت صدی نمبر کی تیاری اور اشاعت کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا گیا شرکاء کے اتفاق رائے سے یہ بات طے پائی کہ یہ نمبر پانچ اہم ابواب کا احاطہ کرتے ہوئے پانچ سیریز میں شائع کیا جائے، اس گراں بہا کام میں تعاون کے لئے ملک و بیرون ملک کی نامور شخصیات، قلم کاروں اور ادیبوں کی ایک نامکمل فہرست تیار کی گئی ہے مزید محققین اہل قلم کی جستجو جاری ہے، نمبر کے ابواب کی ذیلی ابواب وعنوانات سازی کی ذمہ داری ڈاکٹر امجد رضا امجد پٹنہ کو سونپی گئی ہے جبکہ بقیہ دیگر ذمہ داریاں داعی حضرات نبھائیں گے، نشست کے اہم شرکا میں چند نام یہ ہیں ڈاکٹر غلام مصطفےٰ نجم القادری صاحب پٹنہ، علامہ ملک الظفر صاحب سہسرام، ڈاکٹر امجد رضا امجد پٹنہ، علامہ قمر الزماں مصباحی پٹنہ، مولانا تبارک حسین صاحب گیا، خوشتر سہسرامی صاحب، کچھ اور بھی مخلص علمائے کرام موجود تھے، تمام شرکاء کی زبان پر یہی رہا کہ صوری ومعنوی ہر دو اعتبار سے نشست بہت کامیاب رہی، سید صاحب کی مہمان نوازی ان کی شخصیت اور خاندانی وجاہت کی منھ بولتی تصویر رہی۔

رپورٹ: عبد المالک مصباحی
چیف ایڈیٹر دو ماہی رضائے مدینہ، جمشید پور

حافظ محمد ہاشم قادری کو شان اسلام ایوارڈ

روحانی مرکز جمشید پور کی کمیٹی نے شہر کے مشہور، ڈاکٹر، انجینئرز، پروفیسرز اور علمائے کرام کی موجودگی میں جناب حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی کو ان کی دینی وسماجی، ملی اور اصلاحی خدمات کو سراہتے ہوئے ''شان اسلام ایوارڈ'' سے نوازا، پروگرام میں جناب ڈاکٹر الحاج نور الزماں صاحب، قاسم پرویز، شہدائے کربلا کمیٹی کے صدر عباس انصاری، انور علی، حاجی محمد قاسم صدیقی اور شہر کے دیگر اہم ذمہ دار لوگ موجود تھے۔

واضح رہے کہ حافظ محمد ہاشم صدیقی صاحب جمشید پور کے ایک متحرک وفعال سماجی خدمت گار، مخلص، سنجیدہ طبیعت داعی و مبلغ، زود نویس قلم کار کے طور پر پہچانے جاتے ہیں، انہوں نے شہر جمشید پور میں اپنی والدہ محترمہ کے نام ''مسجد ہاجرہ رضویہ'' کی تعمیر بھی کرائی ہے اور بہت سے اداروں میں ذمہ دار عہدوں پر بھی فائز ہیں۔

ملک وبیرون ملک کے رسائل وجرائد میں ان کے مضامین مسلسل شائع ہوتے رہتے ہیں، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور، ماہ نامہ کنز الایمان دہلی، ماہ نامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، حج میگزین ممبئی، سدرہ چنئی، نور الحبیب پاکستان وغیرہ اور شہر جمشید پور کی بہت سی مسجدوں میں جمعہ کی خطابت کرنا، نماز پڑھانا و ہند و بیرون ہند کے اخبارات اور دنیا بھر کی ۲۳ر بڑی ویب سائٹس جیسے جہان اردو، بصیرت آن لائن، اردو اسٹار نیوز، مضامین ڈیسک کوم، سیدھی بات وغیرہ میں دینی، سماجی اور اصلاحی مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

عن قریب ہی سیرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حافظ صاحب کی کتاب ''اسوۂ رسول! چراغ راہ'' بھی شائع ہونے والی ہے، ملت کے اس عظیم الشان رہبر کو ''شان اسلام ایوارڈ'' دے کر روحانی مرکز کی مجلس منتظمہ نے اپنی شان بڑھالی ہے۔

رپورٹ: حسن رضوی، سابق ایم ایل اے
بانی: روحانی مرکز ساکچی جمشید پور، جھارکھنڈ

ص ۵۶ رکا بقیہ.........

کتب و رسائل بالخصوص کتب امام اہل سنت کی اشاعت کی، ویسے تو جماعت کی زرّیں خدمات میں صرف ''شدھی تحریک'' کا کارنامہ ہی اس کے بقائے دوام کے لئے کافی تھا۔

جماعت رضائے مصطفےٰ کے شعبہ جات

(۱) شعبہ دعوت وتبلیغ (۲) شعبہ نشرواشاعت (۳) شعبہ تالیف، ترجمہ وتحقیق (۴) شعبہ سیاسی وقانونی امور (۵) شعبہ صحافت (۶) شعبہ انفارمیشن ٹیکنالوجی (۷) شعبہ سماجی خدمات (۸) شعبہ تعلیم (۹) شعبہ قضاء وافتاء (۱۰) شعبہ امور اوقات و آثار قدیمہ (۱۱) شعبہ مالیات۔

جماعت رضائے مصطفےٰ کی شاخیں

ہندو بیرون ہند میں جماعت رضائے مصطفےٰ کی ۱۰۰ ر سے زائد شاخیں ہیں جن کی نگرانی ہیڈ آفس بریلی شریف سے ہوتی ہے، کام کے لئے روڈ میپ تیار کرنا ہو یا سرگرمیوں کا تعین سب مسلک اعلیٰ حضرت کی روشنی میں انجام پاتے ہیں، اس لئے کہ مطمح نظر اللہ عزوجل اور اس کے مصطفےٰ کریم ﷺ کی رضا ہے۔

جماعت رضائے مصطفےٰ کے سو سال

جماعت رضائے مصطفےٰ نے اپنے گزشتہ سو سالوں میں ملی، سماجی ومذہبی جو جلیل القدر خدمات انجام دی ہیں وہ اہل علم و دانش پر مخفی نہیں ہیں، ماضی میں جماعت کی عظیم القدر خدمات کے تناظر میں فی الوقت عوام وخواص اہلسنت کا اس سے منسلک ہونا اور جماعت کی توسیع اور اس کا مستحکم ہونا کتنا اہم تقاضا ہے یہ بھی اصحاب فکر ورائے پر پوشیدہ نہیں ہونا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری کی تعلیمات پر مشتمل یہ جماعت رضائے مصطفےٰ ہر فرد مسلم کی اشد ضرورت ہے لہٰذا تمام امت مسلمہ کو ۷ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ کو جماعت کے سو سال مکمل ہونے پر مبارکباد پیش کی جاتی ہے اور گزارش کی جاتی ہے کہ دین ومسلک کی ترویج واشاعت کے لئے جماعت کی ممبرشپ حاصل کریں اور اپنے علاقوں میں اس کی شاخیں قائم کریں۔

رابطے کے اور نمبر: +91-7055078618, 7055078619, 7055078621, E-MAIL: jrmHeadoffice@gmail.com



RNI No. UPMUL/2017/71926
Postal Regd. No. UP/BR-34/2017-19

JANUARY - 2018
PAGES 60 WITH COVER

PER COPY : ₹20.00
PER YEAR : 250.00

MAHNAMA SUNNI DUNIYA

Printer, Publisher & Owner Asjad Raza Khan, Printed at Faiza Printers, Bara Bazar, Bareilly
Published at 82, Saudagran, Dargah Aala Hazrat, Bareilly Sharif (U.P.) PIN : 243003, Editor Asjad Raza Khan



HADEETH SHAREEF

Hazrat Abdullah Ibn Amr (Radiyallahu Anhu) said: I was told that Allah's Massenger (Sallallahu Alaihi Wa Sallam) had said, "Prayer" engaged in by a man while sitting counts as half the prayer, so I went to him sitting counts as half the prayer, so I went to him and I found him praying while sitting, and I put my hand on his head. He said, "What is the matter with you, Abdullah Ibn Amr?" I replaced: "I have been told, Massenger, of Allah (Sallallahu Alaihi Wa Sallam), that you said that prayer engaged in by a man while sitting counts as half the prayer, Yet you yourself are praying while sitting. "He said, "He said, "Yes, but I am not like one of you."

(Muslim Sharif)